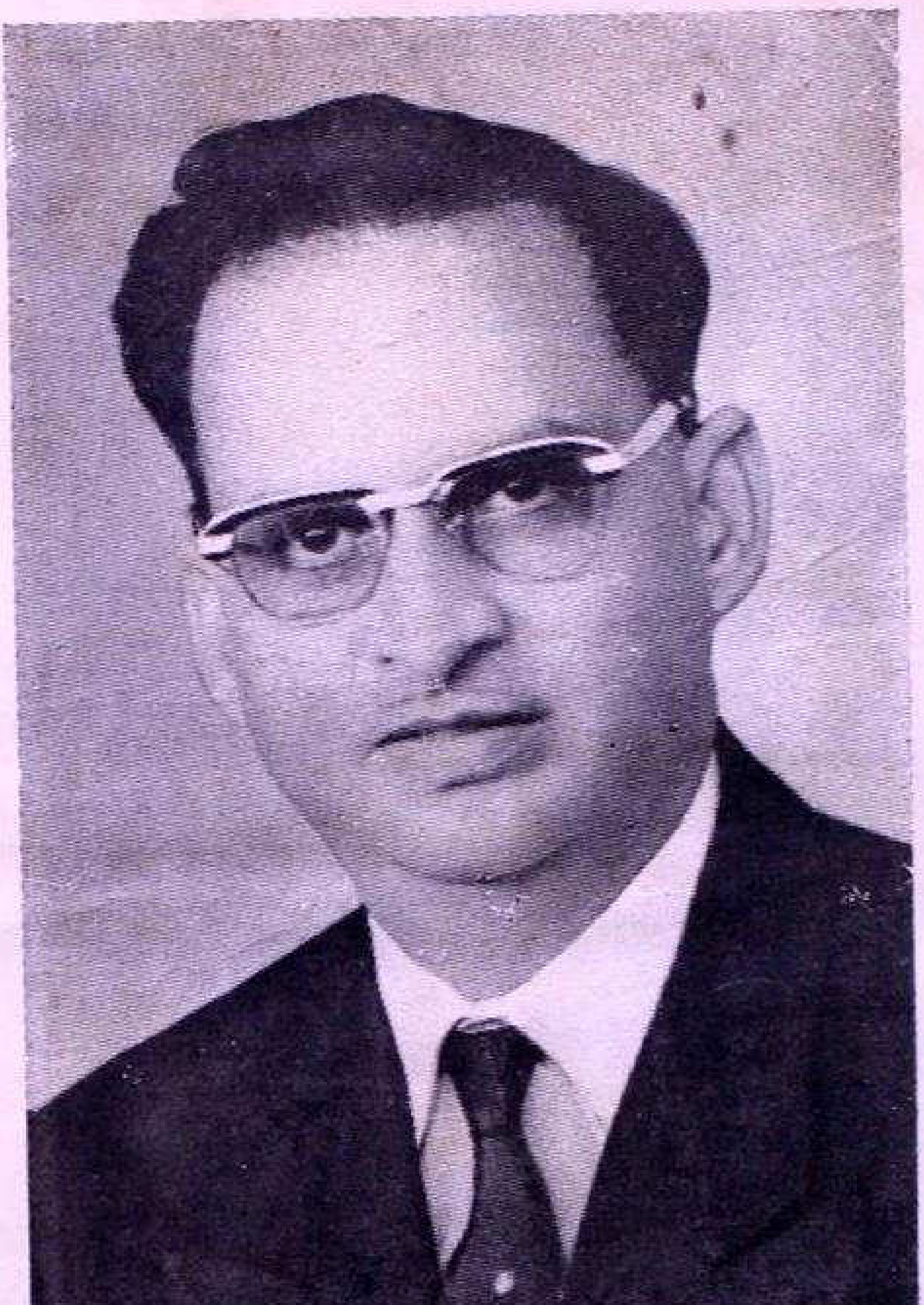


مُصنّف

۱۹۶۶ء

جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں

کفِ گل فروش

اس۔ اے۔ مہدی

بی۔ اے (آنرس) ام۔ اے (علیگ)

پوسٹ بکس ۵۰۳

(ممباسہ۔ کینیا (مشرقی افریقہ)

بار اوّل جنوری ۱۹۶۶ء

پرنٹر۔ سرفراز قومی پریس نادان محل روڈ لکھنؤ

پبلشر

سیّد ابن حسین نقوی لکھنؤ

0168, INNEI,1
K6

Acc. No. 2582

فہرست

آپ بیتی

صورتیں پھرتی ہیں آنکھوں میں وہ نقشے یاد ہیں
ہائے کیا کیا صحبتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں

راقم الحروف نے شمس آباد (ضلع فرخ آباد) کے گہوارۂ ادب میں آنکھ کھولی۔ ہوش سنبھالا تو شعر و ادب کی محفلیں "جنت نگاہ و فردوس گوش" تھیں۔ رفتہ رفتہ غیر شعوری طور پر ادب کے حسن و قبح ذہن پر کچھ اس طرح نقش ہو گئے کہ جزوِ زندگی بن گئے۔ یادش بخیر، ہائے علیگڈھ۔ سن شعور کو پہونچا تو علیگڈھ کے رنگین دامن میں پناہ لی۔ یہ قیام ربابِ سخن کے لئے مضراب بن گیا۔ ذوق بیدار ہوا، مذاقِ سخن پر جلا ہوئی۔ یہاں کے

"ہنگامی" مشاعروں میں بڑے بڑوں کو "جمتے اور اُکھڑتے"
دیکھا - اس سے مزید بہت کچھ حاصل کیا - یوں بھی مادرِ درسگاہ
کے ذرّہ ذرّہ سے وسعت تخیّل اور حُسن بیان کی ایسی تابانیاں
ضَو فشاں ہیں (تھیں؟) جو نگاہ کو خیرہ کر دیں - قدم قدم پر
لطفِ کلام، نفس نفس میں "تقریر کی لذت"۔

بزمِ عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

عقل پختہ ہوئی تو لکھنؤ کے گلستان ادب کی سیر کی - وہ
لکھنؤ جس کی روش ہمہ نغمہ و ہمہ شعر - وہ لکھنؤ جس کے
در و دیوار، ارض و سما ترنّم ریزیاں کرتے ہیں، جہاں نوائے سخن
آواز بازگشت کی طرح فضا میں گونجتی رہتی ہے - کہتے ہیں کہ
لکھنؤ کی ادبی محفلوں میں جس کی لب کشائی قابل پذیرائی تصور
کی گئی اسے گویا شاعری کی سند حاصل ہو گئی - خدا جانے مجھے

یہ سند ملی یا نہیں ہاں اس چمن میں "نواسنجِ فغاں" ضرور ہوا۔

ساقیا صحبتِ دیرینہ جو یاد آتی ہے
چشم تر صورتِ پیمانہ چھلک جاتی ہے

اور اب گذشتہ دس سال سے افریقہ ہے اور میں ہوں۔ یہاں کچھ ہندوستانی اور پاکستانی بھی آباد ہیں۔ جب مجھ سے فرمائش ہوتی ہے کہ مہدی صاحب "شاعریاں" سناؤ تو دل چاہتا ہے کہ یا اپنا منہ پیٹ لوں یا کہنے والے کا منہ نوچ لوں ۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی سماعت فرمائیے۔ ایک نوجوان غریب خانہ پر تشریف لائے، جن کی مادری زبان اردو جن کے اسلاف کی مادری زبان اردو۔ "کلیاتِ اکبر" میز پر رکھی تھی ۔ کچھ دیر ورق گردانی کے بعد فرمایا "یہ غالب صاحب کی کتاب ہے"۔ عرض کیا بندہ پرور ملاحظہ ہو جلد پر ہی جلی حروف میں تحریر ہے "کلیاتِ اکبر" یعنی یہ

اکبر الہ آبادی کا کلام ہے۔ ارشاد ہوا، "اچھا، مگر غالب صاحب نے بھی اچھی کتاب لکھی ہے"۔ اب فرمائیے کہ اس غیر شاعرانہ ماحول میں ذوقِ ادب کا کیسا ذبیحہ ہوا ہوگا۔ اس کو ردِ عمل کہئے یا حالات سے انتقام لینے کا جذبہ کہ "سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا"۔ شعر و سخن سے دلچسپی فزوں تر ہوگئی۔ "بزمِ ادب" کی بناء ڈالی اور ایک "گُل ایسٹ افریقہ" مشاعرہ منعقد کر دیا۔ کینیا کے سابق انگریز گورنر لارڈ ہوڈک نے اس محفل کو شرف صدارت بخشا اور لکھنوی اُردو میں پُر لطف تقریر فرمائی۔ موصوف نے اُردو لکھنؤ کے دورانِ قیام میں، چالیس سال قبل کسی مولوی سے باقاعدہ پڑھی تھی۔ اس مشاعرہ میں جو لطائف ہوئے وہ اپنی جگہ مگر شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے۔

اس مشاعرہ کے چند ماہ بعد لارڈ ہوڈک گورنری سے

ریٹائر ہوگئے - اس موقع پر میں نے ان کی شان میں ایک قصیدہ نظم کیا جس کا انگریزی میں لفظی ترجمہ بھی کیا اور بصد آب وتاب شائع کرکے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک خاص تقریب کی صورت میں اسے پیش کیا۔ یہ کینیا (افریقہ) کے لئے بالکل عجوبہ بات تھی - اخباروں میں بڑے تبصرے اور تذکرے ہوئے، بات لندن تک پہونچی۔ ان کامیابیوں سے ہمت افزائی ہوئی، منزل کی طرف ایک قدم اور بڑھایا۔ انتہائی جانفشانی سے ایک کتاب بالکل اچھوتے اور نہایت دشوار موضوع پر تالیف کر ڈالی جو بحمد اللہ اس مجموعہ کے شائع ہونے تک ناظرین کے سامنے ہوگی۔ کتاب کا نام ہے "انگریزی اور اردو شعرا میں مماثلت"۔ اس کا پیش لفظ انھیں لارڈ ہووک کے قلم بلاغت رقم کی تحریر ہے۔

پروفیسر سید احتشام حسین صاحب اس کتاب کے

تعارف میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جو کام کئی ادیبوں اور سخن سنجوں کے مِل جُل کر کرنے کا تھا، وہ مہدی صاحب نے تنہا کیا ہے اور ایسی خوش اسلوبی سے کیا ہے کہ ہر صاحب ذوق ادیب اور ہر حوصلہ مند محقق ان پر رشک کر سکتا ہے"۔

یہ کتاب صرف ان حضرات کے لئے باعث دلچسپی ہو سکتی ہے جنھیں اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے شعر و ادب پر مکمل عبور رہے۔ پروفیسر احتشام حسین صاحب کے ارشاد کے مطابق "یہ تالیف نہیں تخلیق ہے"۔

ان مراحل کے بعد اس ملک میں اُردو کو ایک مقام حاصل ہو گیا۔ یہ مختصر شعری مجموعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور افریقہ سے اردو شعر و شاعری سے متعلق پہلی کتاب بالکل ممکن تھا کہ اس مختصر مجموعہ کی ضخامت سہ چند کر دی جاتی مگر عمداً اس سے احتراز کیا گیا۔ ولی دکنی کا ارشاد میرے

پیش نظر تھا ۔

کتا (کہتا) ہوں تجھے پند کی ایک بات
کہ ہے فائدہ اس منے (میں) دھات (طرح) دھات

جو بے ربط بولے تو بیتاں پچیس
بھلا ہے جو اک بیت بولے سلیس

نکو (نہ) کر توں کئی بولنے کا ہوس
اگر خوب بولے تو یک بیت بس

زشت و خوب ناظرین کرام جانیں ۔ میں ولی کی نصیحت پر ضرور عمل پیرا ہوا ۔

بات کہاں سے کہاں پہونچی ۔ خاتمہ کلام سے قبل، ارباب نظر سے اپنی اُن لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی

چاہتا ہوں جو تقاضائے بشری کی وجہ سے بہر حال ممکن ہیں۔

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زرہم
تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

جناب ابن حسین صاحب نقوی آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ اور جناب انصار حسین صاحب رضوی منیجر سرفراز قومی پریس لکھنؤ نے اس مجموعہ کی طباعت میں بڑی دلچسپی لی۔ میں ان حضرات کا ممنون ہوں۔

اس۔ اے۔ مہدی (علیگ)
پوسٹ بکس ۵۰۳
ممباسہ کینیا (ایسٹ افریقہ)

طیّب
کے
نام

بارگاہِ ایزدی

مہ و مہر و انجم میں تیرا ہے نور
ہر اک غنچہ و گل میں تیرا ظہور
ہیں تیرے ثنا خواں وحوش و طیور
ترے ذکر سے جان و دل کو سُرور

رضیؐ ، قویؐ ، غنیؐ ، قدیر
زکیؐ ، ولیؐ ، وفیؐ ، مُستجیر

تصوّر ، تخیّل پہ چھایا ہو تو
یہی ہے تمنّا یہی آرزو
ہو صبح و مسا تیری ہی گفتگو
تو ہی تو نظر آئے بس چار سو

بدیعؒ ، رفیعؒ ، سریعؒ ، مُجیر
رفیعؒ ، شفیعؒ ، سمیعؒ ، بصیر

ستاتے ہیں دُنیا کے رنج والم
تجھے پاک ناموں کی اپنے قسم

مٹا دے مقدر کے سب پیچ وخم
برس خشک کھیتی پہ ابرِ کرم

رحیمُ، عظیمُ، حلیمُ، نصیر
علیمُ، کریمُ، حکیمُ، خبیر

ترے در پہ آیا ہوں میں دادخواہ
مجھے اپنے دامن میں دیدے پناہ

مناجات کرتا ہے یہ روسیاہ
تجھی کو پکارا ہے تو ہے گواہ

وکیلُ، کفیلُ، مُقیلُ، مُنیر
جلیلُ، جمیلُ، دلیلُ، کبیر

حسیبُ، قریبُ، مُثیبُ، مجید
حبیبُ، مجیبُ، طبیبُ، حمید

نبیلُ، مُنیلُ، مُدیلُ، رشید
مُعینُ، امینُ، مُبینُ، مُعید

"ثنائے جہاں آفریں ہے محال"
قلم میں نہ طاقت نہ میری مجال

جرأتِ رندانہ

یعنی

تتبّعِ غالب

غزل

سوزِ فراق و وصل کے قابل نہیں رہا
شامِ شباب ہوگئی وہ دل نہیں رہا

منزل قدم قدم پہ بناتے ہیں پائے شوق
اب کچھ خیالِ دوریِ منزل نہیں رہا

ایسے بھی اس جہان میں گذرے ہیں کچھ شہید
مقتول تا اَبد رہا قاتل نہیں رہا

(ق)
کب ناوکِ الم سے بشر کو اماں ملی
کب کارزارِ زیست میں بسمل نہیں رہا

کب زخمہائے قلب و جگر مندمل ہوئے
کب دشنۂ حیات سے گھائل نہیں رہا

معراج میں حبیب سے محبوب یوں ملا
کوئی بھی پردۂ دوئی حائل نہیں رہا
تج کر خودی جو اصل و حقیقت میں کھو گیا
وہ ہوشیار ہو گیا غافل نہیں رہا
لے مژدہ باد ہمتِ دل تیری راہ میں
طوفانِ غم میں دامن ساحل نہیں رہا
کس کو سنائیں جا کے غزل کس سے داد لیں
غالبؔ کے بعد اب کوئی کامل نہیں

سہرا

پیش کرتا ہے سرِ بزم سخنور سہرا
دیکھئے کہتے ہیں کس طرح سے، کیونکر سہرا

لیں اُمیدوں کی جو کلیاں تو تمنّاؤں کے پھول
ڈال کر ڈورے محبت کے پرو کر سہرا

رسمِ الفت کے شگوفوں میں بھرا رنگِ وفا
کر دیا بوئے محبت سے معطّر سہرا

مُنہ لگایا ہے جو نوشہ نے تو اِترا تا ہے
سر چڑھایا ہے، جو یوں آتا ہے مُنہ پر سہرا

اس پہ پھولا ہے کہ مجھ کو دُرِ[1] مقصود[2] ملا
اس پہ نازاں ہے کہ ہے آج مرے سر سہرا

سارے عالم کے فراہم کئے نایاب گہر
تب بمشکل بنا اس شان کا گز بھر سہرا

اپنے پردہ میں صدف جس طرح گوہر چھپائے
ویسے ہی چہرۂ نوشاہ کے اوپر سہرا

اس کی کلیوں کو کبھی چھو نہ سکے بادِ سموم
تیرے سائے میں رہے خالقِ اکبر سہرا

---

[1] دُرِ حسن نوشہ کا نام
[2] مقصود حسین دولھا کے والد کا نام

غزل

حرفِ مطلب ہم زباں پر لائیں کیا
وہ اگر پوچھیں بھی تو بتلائیں کیا

"بندِ غم ہو" یا ہو وہ "قیدِ حیات"
چار دن کی بات ہے گھبرائیں کیا

رفتہ رفتہ بن گیا غم جزوِ جاں
جب نہ ہو احساسِ غم، غم کھائیں کیا؟

مانا دل کش ہے بہت بزمِ حیات
اس کی رنگینی میں گُم ہو جائیں کیا

لاج خودداری کی رکھ لے اے کریم
اپنے ہم دستِ طلب پھیلائیں کیا

کشمکش پُر لطف ہے یہ شامِ وصل
ہم کہیں کیا اور وہ فرمائیں کیا

خانۂ عقبیٰ وطن، دُنیا سرا
میزبانی ہو چکی گھر جائیں کیا؟

غزل

ان کی زلفیں روئے روشن پر پریشاں ہو گئیں
بادلوں سے بجلیاں دست و گریباں ہو گئیں

جب مقدر کی گئیں روزِ ازل رعنائیاں
کچھ بنیں زیبِ چمن کچھ حُسنِ جاناں ہو گئیں

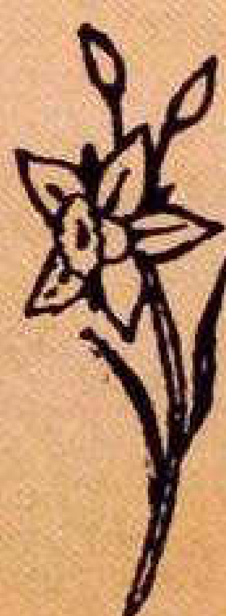
وہ بھی شمعیں تھیں جو بزمِ عیش کی زینت بنیں
وہ بھی شمعیں تھیں لحد پر جو فروزاں ہو گئیں

رفتہ رفتہ بُجھ گیا دل کی اُمنگوں کا چراغ
دھیرے دھیرے آرزوئیں خود گریزاں ہو گئیں

اس کی رحمت پر یقیں تھا اسلئے عصیاں کئے
لغزشیں گویا مری تزئینِ ایماں ہو گئیں

اب نہ ارماں ہیں نہ حسرت ایک سناٹا سا ہے
دل کی یہ ویرانیاں رشکِ بیاباں ہو گئیں

کس قدر ہیں مختلف زورِ نمو کی صورتیں
کچھ بنیں گلزار کچھ خارِ مغیلاں ہو گئیں



غزل

جس کو نہ ذوقِ عشق ہو بارِ حیات اُٹھائے کیوں
زیست ملی ہے بہرِ عشق مفت میں یوں گنوائے کیوں

اُن کی نظر میں ہم بھی ہیں اُن کی نظر سے پا گئے
دل میں اگر نہ چور ہو کوئی نظر چرائے کیوں

دل میں چھپا ہے رازِ عشق سوزِ جگر ہے رازداں
سینے سے نکلے آہ کیوں لب پہ ہو ہائے ہائے کیوں

شرطِ وفا ہے عشق میں، لطف کہے عتاب کو
شکوۂ جَور کیوں کرے شانِ وفا گھٹائے کیوں

بات یہ پوچھنے کی ہے مسئلہ سوچنے کا ہے
آنکھوں سے جو نہاں رہے دل میں وہ یوں سمائے کیوں

حُسنِ طلب جہاں نہ ہو سعیِ طلب فضول ہے
جو نہ نیاز مند ہو اس کے وہ ناز اُٹھائے کیوں

دیکھ تو اے نگاہِ شوق کیسا حجاب درمیاں
جس کو شعورِ دید ہو رُخ سے نقاب اُٹھائے کیوں

سوزِ دروں ہے دل فروز لذّتِ درد جاں گداز
آگ لگی، لگی رہے کوئی اسے بجھائے کیوں

غزل

کرے کیوں ضبط آنسو مانعِ آہ و فغاں کیوں ہو
جو ہو پہلو میں دلِ مضطر تو قابو میں زباں کیوں ہو

رگِ جاں سے قریں ہے کیف و کم سے خوب واقف ہے
تجھے سب علم ہے جب، پھر بشر کا امتحاں کیوں ہو

یہ توہینِ جنوں ہے خود کو رکھ قابو میں دیوانے
گریباں چاک کیوں ہو جیب و دامن دھجیاں کیوں ہو

کسی سے مہربانی کی توقع ہی ہے نادانی
تجھے پھر شکوۂ بے مہریِ نامہرباں کیوں ہو

ذرا اے میرے قسامِ ازل انصاف فرما دے
غمِ دُنیا ہی آخر دل کا اپنے پاسباں کیوں ہو

اگر مقصود اس سے صرف خونِ دل رُلانا ہے
تو پھر تصنیف ہی قلبِ بشر کی داستاں کیوں ہو

رگِ جاں سے قریں ہے پھر بھی فصل و بُعد ہیں حائل
یہ لفظِ "قُرب" بھی آخر حجاب درمیاں کیوں ہو

غزل

"اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھّا ہے"

بخت یاور ہو، تو ہر دن کا مآل اچھّا ہے

دوست مسجد کے ہیں، میخانہ کے دشمن بھی نہیں

حضرتِ شیخ حرم میں یہ کمال اچھا ہے

جس میں ملّت کی روایات کی قربانی ہو

اس ترقی سے جو سچ پوچھو، زوال اچھا ہے

ترکِ اُلفت کا ارادہ ہو مبارک اے دل

سعی فرمائیے، بے شک یہ خیال اچھا ہے

رہِ منزل میں جو ہے لطف وہ منزل میں کہاں

ہجر بہتر، کہ حسینوں کا وصال اچھا ہے؟

بے نیازی اُسی مالک کو سزاوار ہے بس
ہم گداؤں کو جو ہے خوئے سوال، اچھا ہے

حضرتِ شیخ نے پی شرع کے اندر رہ کر
کہہ کے بس پی گئے یہ آبِ زلال اچھا ہے

کمسنی میں ہے جو اک بات، جوانی میں کہاں
مہِ کامل سے نزاکت میں ہلال اچھا ہے

غزل

سوزشِ زخمِ جگر ان سے چھپائے نہ بنے
وہ جو فرمائیں دکھاؤ تو دکھائے نہ بنے

ہستیٔ قلبِ بشر گل سے زیادہ نازک
بارِ غم وہ جو فرشتوں سے اُٹھائے نہ بنے

پردۂ دل میں چھپائی تو ہے صورت ان کی
وہ اگر دیکھ لیں تو بات بنائے نہ بنے

یوں سما جائے تری یاد مری رگ رگ میں
میں اگر بھولنا چاہوں تو بھلائے نہ بنے

پرسشِ خاص کے صدقے ان اداؤں کے نثار
کیا سبب ہے کہ جو بن میرے ستائے نہ بنے

آتشِ غم سے مرے دل نے وہ پایا ہے سرور
کاش ایسا ہو کبھی، اس کو بجھائے نہ بنے

کس سیاہی سے ہے لکھا خطِ تقدیرِ بشر
کوئی چاہے کہ مٹا دے تو مٹائے نہ بنے

مہدیٔ پوچ گو، "اندازِ بیانِ غالب"
بات ہی کیوں کرے ایسی جو نبھائے نہ بنے

غزل

جس سمت وہ نگاہ قیامت اثر گئی
طوفاں بدوش آئی بپا حشر کر گئی

اشکوں کا بجھ سے بارِ امانت نہ اُٹھ سکا
اب تیری آبرو بھی گئی، چشمِ تر گئی

دورِ وجودِ ہستیٔ انساں کی کیا بساط
کی اک نظر کہ جنبشِ رقصِ شرر گئی

جو آس مجھ کو دے نہ سکی تو نے دے دیا
احسان تیرا یاس، بڑا کام کر گئی

دل میں کوئی اُمید نہ ارماں نہ آرزو
خالی پڑا ہے گھر یہ جہاں تک نظر گئی

کر کے دعائیں ترک بھی تاثیر دیکھ لی
اب کیا کریں دعا کہ اُمیدِ اثر گئی

خوددار یہ نگاہ درِ یار تک کبھی
چاہا تو تھا یہی کہ نہ جائے مگر گئی

اک وہ ہیں جن کے حق میں ہے ہر صبح، صبحِ عید
اک وہ ہیں جن کے دل سے امیدِ سحر گئی

مہدؔی بھی شعر کہتے ہیں غالب کے رنگ میں
"اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی"

غزل

شانوں پہ کئے زلف پریشاں[1] مرے آگے
وہ آئے مگر حشر بدا ماں مرے آگے

رخسار ہیں گل یار کے، کاکل ہیں کہ سنبل
رہتا ہے تصور میں گلستاں مرے آگے

میں دیکھ چکا ہوں تری رفتار کا منظر
کیا چیز ہے پھر فتنۂ دوراں مرے آگے

ڈرتا ہوں کہیں ساتھ ہی آنسو نہ نکل آئیں
ہوتے ہیں اگر لب کوئی خنداں مرے آگے

---

[1] حضرت غالب کی غزل کے قافیہ میں کسی قدر ترمیم

اِن آنکھوں نے دیکھا ہے ترے حُسن کا عالم
کیا حورِ جناں ہوتی ہیں نازاں مرے آگے

خود گردشِ ایام بھی اب آ گئی عاجز
ہے شدتِ آلام گریزاں مرے آگے

آزار تعاقب میں ہیں، اندوہ مقابل
غم ساتھ ہیں، افکار پریشاں مرے آگے

مر جاؤں، مگر کب یہ گوارا ہے کہ آئیں
نظروں کو جھکائے وہ پشیماں مرے آگے

غزل

راہ کی دشواریوں کا لطف کب منزل میں ہے
موجِ طوفاں کا سکوں گم دامنِ ساحل میں ہے

اپنے حسنِ حشر ساماں کے تو قصے ہو چکے
وہ بھی فرما دیجئے جو کچھ ہمارے دل میں ہے

سرفروشی کی تمنا جس کی پوری ہی نہ ہو
وہ یہ کیسے مان لے خنجر کفِ قاتل میں ہے

شوق سے اغیار پر لطف و کرم کی بارشیں
ایک ناکام تمنّا بھی تری محفل میں ہے

قیس، دیوانے ہٹا دے چشمِ باطن سے حجاب
تیری نظروں میں ہے پنہاں حُسن جو محمل میں ہے

ذرّے ذرّے میں جو جلوے ہیں مرے پیشِ نظر
اور بھی اس سے سوا کچھ پردۂ حائل میں ہے؟

خوں کی سرخی میں جھلکتی ہیں جو یہ رنگینیاں
یاد بھی شامل تری خونِ رگِ بسمل میں ہے

حضرتِ غالبؔ کی خاکِ پا سے کمتر یہ سخن
"کچھ عجب لذت مگر اس سعیِ لاحاصل میں ہے"

غلط نامہ

"کفِ گُل فروش"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰	۸	نہیں	نہیں رہا
۲۲	۵	گوہر	گوہر ہو
۲۴	۵	پریشان	پر پریشان
۳۳	۱	لی	لیں
۴۸	۷	ہو رہی	ہو رہی ہے
۵۶	۲	خوف	خوب
۱۰۹	۸	لپ	لب
۱۱۱	۱	گم سم	گم صم
۱۱۱	۹	جاناناں	جانا نہ
۱۳۷	۴	پاکیزہ	پاکیزہ
۱۴۴	۱۲	گیتی	گیتی
۱۵۲	۷	جے	جوے
۱۵۴	۲	سحرا	صحرا
۱۵۸	۶	زرّوں	ذرّوں

دیگر غزلیات

غزل

گلستاں میں یہی اک حاصلِ جوشِ نمو نکلا
کہ ہر گل میں تجھے پایا ہر اک پتّے میں تو نکلا

سراب آخر وہ نکلا، دُور سے دریا جسے سمجھے
یہی اک حاصلِ سعی و تلاش و جستجو نکلا

اُسے سب علم ہے، وہ حالِ دل سے خوب واقف ہے،
اسی اُمید پر لب سے نہ حرفِ آرزو نکلا

جہاں کے گلکدہ میں پھول کتنے ہی حسیں دیکھے
نہ تجھ سا دلربا دیکھا نہ تجھ سا خوبرو نکلا

نہ جب تک محرمِ دیدار تھے محروم تھیں آنکھیں
مگر جب غور سے دیکھا تو ہر ذرہ میں تو نکلا

تمھارے غم کی رکھ لی لاج میرے دل نے خوں ہو کر
مری آنکھوں سے جو بھی اشک نکلا سُرخرو نکلا

مُسافر ہو گئے رنگینیوں میں گُم، وطن بھولے
عجب پُرکیف و دلکش یہ جہانِ رنگ و بُو نکلا

خدا جانے کہ اکثر کیوں زبانِ اہلِ دانش سے
خدا کا ذکر بھی در پردۂ جام و سُبو نکلا

غزل

کرم فرما وہ یارِ دل نشیں ہوتا تو کیا ہوتا
کہ ہم پر لطفِ چشمِ سُرمگیں ہوتا تو کیا ہوتا

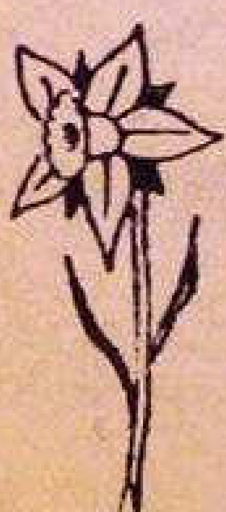
یہ غیروں سے نہیں اپنوں سے میں نے درس پایا ہے
عدو کوئی جو مارِ آستیں ہوتا تو کیا ہوتا

بشر ہوتے ہوئے جب فیصلہ قسمت کا کرتا ہے
خدا جانے خدا وہ مہ جبیں ہوتا تو کیا ہوتا

گذرنے والے او گورِ غریباں سے تصوّر کر
کہ تو ان کی طرح زیرِ زمیں ہوتا تو کیا ہوتا

ارے او بانیٔ جور و ستم یہ بھی کبھی سوچا
کہ تو میں ہوتا اور میں تو کہیں ہوتا تو کیا ہوتا

جو قانع ہے فقیری میں بھی اس کو کیا نہیں حاصل
اگر وہ مالکِ صد شہ نشیں ہوتا تو کیا ہوتا



غزل

زیست کو ہم نے خواب سا دیکھا
موج پر اک حباب سا دیکھا

ہم نے دیکھا مآلِ سعی طلب
اس کا حاصل سراب سا دیکھا

یہی ویران دل ہے جس کو کبھی
ہم نے چنگ و رباب سا دیکھا

ان کی رخصت کا کیا کہیں عالم
وقت روزِ حساب سا دیکھا

دیکھنے کو بہت حسیں دیکھے
اک نہ، اس لاجواب سا دیکھا

نامُرادوں کی نوجوانی کیا
ہاں زمانہ شباب سا دیکھا

کچھ حقیقت شناس آنکھوں نے
پتہ پتہ کتاب سا دیکھا

دیکھی اس کے جلو میں ناکامی
جس کو کچھ کامیاب سا دیکھا

اُس کی موسیٰ نے کب جھلک دیکھی
ایک اُٹھتا حجاب سا دیکھا

غزل

کیا کہوں روزِ ازل کیا کیا مرے مولا دیا
بندۂ مجبور کو جو کچھ دیا اچھا دیا

جان و دل، ایمان و دیں، صبر و سکوں لینے کے بعد
تم نے مجھ کو کیا دیا اک وعدۂ فردا دیا

ساغرِ عشرت مے غم سے کبھی خالی نہیں
خالقِ عالم نے گُل کو ہمنشیں کانٹا دیا

یاس نے آسان کر دی تھیں مری دشواریاں
آس نے تسکین دے کر پھر مجھے تڑپا دیا

چند ہی پاؤ گے اس عالم میں ایسے ہوشمند
خوابِ غفلت سے مقدر نے جنھیں چونکا دیا

گر نہ ہوتا نغمۂ غم بے صدا تھا سازِ دل
یہ کرم تیرا کہ انساں کو غمِ دُنیا دیا
ذرّے ذرّے سے ملا اُس کو پیامِ معرفت
جس کو قسّامِ ازل نے دیدۂ بینا دیا
لاج رکھ لی خواہشِ موسیٰ کی کوہِ طور پر
"لن ترانی" تو کہا، جلوہ مگر دکھلا دیا

غزل

ہے زمینِ صبر اپنی آسمانِ اضطراب
بڑھ گئی ہے میرے دم سے عز و شانِ اضطراب
ہر ہنسی ہے غم کے آنسو اپنے دامن میں لئے
ہر سکوں پر مجھ کو ہوتا ہے گمانِ اضطراب

ہوتی ہیں اکثر خموشی میں بھی تقریریں نہاں
مضطرب جو ہو وہی سمجھے زبانِ اضطراب

پھر ہوئی تخلیقِ آدم اس کو سننے کے لئے
پہلے فرمالی مرتب داستانِ اضطراب

جوشِ گریہ، خشک آنکھیں، مسکراہٹ، رنگ فق
اس سے بہتر کون ہوں گے ترجمانِ اضطراب

یاس حادی ہو رہی، آس پژمردہ سی ہے
مٹ رہا ہے اس طرح نام و نشانِ اضطراب

غم مسرت آشنا، ہے واقفِ غم ہر خوشی
بزمِ عشرت، ساز و مطرب، رازدانِ اضطراب

اس کا کاروبار سارا ایک میرے دم سے ہے
میں جو اٹھ جاؤں تو اٹھ جائے دکانِ اضطراب

غزل

کون کسی کا جگ میں میت
مُنہ دیکھے کی ساری پریت
کھیلے جا بس بازیٔ عشق
کیسی ہار اور کیسی جیت
وہی ہو دشمن جو ہو دوست
پریم نگر کی انوکھی ریت
آہ نہ نکلے، ٹپکے نہ اشک
دل پر کچھ بھی جائے بیت

غزل

حضرتِ دل جناب کی خاطر
عاقبت ہے عذاب کی خاطر

ترکِ لذّات اور ہیں، توبہ
ایک روزِ حساب کی خاطر

حضرتِ شیخ آپ بھی پی لیں
اک ذرا سی ثواب کی خاطر

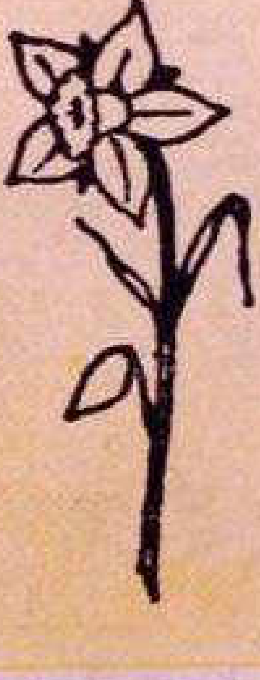
نوجوانی وجود کا ماحصل
زندگی ہے شباب کی خاطر

ابنِ آدم ہے ہمکنارِ گناہ
ہو رہی ہے عذاب کی خاطر

طبعِ جاناں کی نازکی توبہ
اُس کی خاطر حباب کی خاطر

وہ ہوں خنجر بکف، جُھکا دوں میں سر
یوں ہو ان کے عتاب کی خاطر

سعیِ پیہم، یہ جستجو، یہ تلاش
زندگی کے سراب کی خاطر



شاعر

مےٴ حسنِ معنی سے سرشار شاعر
زمینِ ادب پر گہربار شاعر

الگ عام انساں سے ہو سطحِ ذہنی
ادب کے جہاں کا ہو اوتار شاعر

کبھی راز تحت الثریٰ کا ہو جویاں
کبھی تہ فلک کے ہو اس پار شاعر

شہِ عقل ہو، مالکِ علم و حکمت
علومِ جہاں کا ہو سردار شاعر

تخیل میں، گم ہو فنا فی الحقیقت

ہو دیوانہ، مدہوش، ہشیار شاعر

تصور ہو اس کا محیطِ دو عالم
سمجھتا ہو ہستی کے اسرار شاعر

سخن، عام طرزِ سخن سے جُدا ہو
سُنائے الگ سب سے اخبار شاعر

ہمہ برقِ سوزاں ہمہ تیغِ عریاں
نسیمِ سحر کی ہو رفتار شاعر

جو نغموں سے محفل کو بیدار کردے
ہو سازوں میں تیغوں کی جھنکار شاعر

شعر

مے حُسنِ معنی سے سرشار شعر
زمینِ سخن پر گہر بار شعر

تراوش ترنم کی ہو شعر سے
سناتا ہو خاموش ملہار شعر

نگینے ہوں نقطے، جواہر حروف
یہ سلکِ گہر میں ہو زرتار شعر

ہر اک لفظ ہو موجِ گل، کیفِ مُل
نسیمِ سحر کی ہو رفتار شعر

تخیل مذاقِ سخن پر چلا
شگفتہ معانی سے گلزار شعر
تنوع، تسلسل، روانی، تڑپ
زباں کی لطافت سے سرشار شعر
اگر شعر ایسے نہ ہوں بس کی بات
تو بہتر ہے کہئے نہ سرکار شعر

محسوسات

مقبرے ویران، شانِ خسروی کی یادگار
ہیں شہنشاہوں کے مرقد بے کسی کی یادگار
جیسے اصلِ شئے کی پرچھائیں ہے یہ پیشِ نظر
آدمی بس رہ گیا اب آدمی کی یادگار

بڑھ گیا زورِ ضعیفی، گھٹ گیا جوشِ شباب
"سانس لینا رہ گیا اب زندگی کی یادگار"
ایک مبہم سا تصوّر، چند دُھندلے سے نقوش
اس دلِ خالی میں یہ ہیں عاشقی کی یادگار
اک شکستہ جام، کچھ مینا کے ٹکڑے، شمعِ بزم
توبہ کر لینے پہ دَورِ میکشی کی یادگار
تیرگی کیا ہے مآلِ نور کی آئینہ دار
ہر شعاعِ نور گویا تیرگی کی یادگار
پرتوِ نورِ الٰہی، وجہِ تزئینِ بقا
تا ابد ہے کربلا میں بندگی کی یادگار
وہ بُرے ہوں یا بھلے ہوں حضرتِ مہدی کے شعر
ہیں یہی لے دے کے فنِ شاعری کی یادگار

غزل

حدِ نظر تک کوئی نہیں ہے ڈھونڈیں کس کو جائیں کدھر ہم
چھُوٹ گئے سارے سنگی ساتھی ہو گئی محفل درہم و برہم
خوابِ حسیں تھا عہدِ جوانی آنکھ کھُلی تو سر پہ تھی پیری
چمکے تھے اس بزمِ جہاں میں گویا مثلِ رقصِ شرر ہم
اور نئی تدبیر نکالے گردشِ دوراں شومیٔ قسمت
فکر و غم و آلامِ جہاں سے دم بھر پائیں کبھی جو مفر ہم
ہو جو کمی کچھ سوزِ نہاں میں، دردِ دروں سے پائیں جو مُہلت
شدتِ غم کا کچھ ہو مداوا، ڈھونڈیں مرہمِ زخمِ جگر ہم

حرفِ شوق زباں پر لائیں کہنے کی جب فرصت پائیں
ہو نہ مزاجِ یار مکدّر دیکھتے ہیں بس ان کی نظر ہم

منزلِ دُنیا ایک سرا ہے ہم ہیں آتے جاتے مسافر
راہ یونہی طے کرتے کرتے جا پہونچیں گے اپنے گھر ہم

زیست کی شب تھی خوابِ پریشاں جوں توں کر کے رات گذاری
موت جو آئی راحت پائی سو گئے تھک کر وقتِ سحر ہم

کوئی نہ سمجھا رازِ ہستی ذہن ہے عاجز، فہم پریشاں
کب آئے اور کیونکر آئے، آئے کہاں، جائینگے کدھر ہم



سراپا

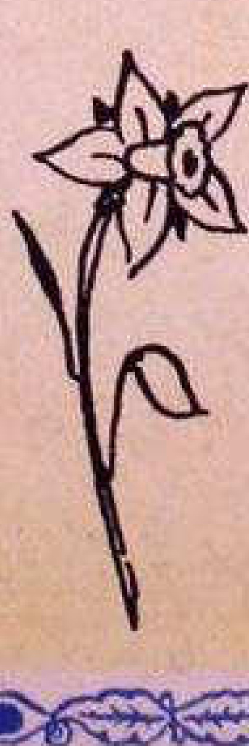
بہرِ گلگشت وہ آئے ہیں میانِ گلشن
دیدۂ شوق سے کہہ دیجئے بھر لے دامن

وہ سُبک چال کہ چلتی ہے نسیمِ سحری
وہ لچک جسم کی، بل کھاتی ہو جیسے ناگن

نگہِ شوق ہے یوں بار رخِ نازک پر
دامنِ گل پہ گراں جیسے ہو سورج کی کرن

ناز و انداز و ادا، خوبی و مستی و جمال
غمزہ و عشوہ و رعنائی و شوخی و پھبن

مانگ، لہرائی ہوئی برق سیہ بادل میں
تیغ ابرو کی ہم آہنگ ہے تیکھی چتون
چشم آہو کا وہ عالم، وہ کرشمے، وہ فسوں
ہوش نرگس کے جنھیں دیکھ کے ہو جائیں ہرن
غرق ہو جائے ان آنکھوں میں جو دو عاشق
دل ڈبونے کو فراہم ہے اُدھر چاہِ ذقن
یہ عجب طور ہے اربابِ وفا کا مہدی
جس کو وہ دوست کہیں اس کو ہی جانیں دشمن



غزل

شرطِ انصاف ہے یہ اس کا چمن ہے کہ نہیں
گلشنِ شعر ہی مہدیؔ کا وطن ہے کہ نہیں

ہم اسی وہم میں کچھ حالتِ دل کہہ نہ سکے
طبعِ نازک پہ گراں حرف و سخن ہے کہ نہیں

مجھ سے ناکامِ ازل کو یہ تصوّر بھی نہیں
دہرِ ہستی میں مسرّت کا چلن ہے کہ نہیں

"چشمِ آزاد" ذرا ایک حقیقت کی نظر
آج بھی سلسلۂ دار و رسَن ہے کہ نہیں

عشقِ جاوید ہے کیا، نجد میں جا کر دیکھو
خاکِ قیس آج بھی آوارہ وطن ہے کہ نہیں

برق جب چمکی، قفس میں یہی گھبرا کے کہا
ہائے محفوظ ہمارا وہ چمن ہے کہ نہیں

اب تپش قلب کی یوں بن گئی جزوِ فطرت
یہ بھی محسوس نہیں ہوتا جلن ہے کہ نہیں

ہم یہی دیکھتے ہیں، جرأت گفتار کہاں
ان کے ماتھے پہ نمودار شکن ہے کہ نہیں

سر کٹا دیتے ہیں تسلیم و رضا کے بندے
اس سے بیگانہ ہیں وہ، گور و کفن ہے کہ نہیں

یہ بھی اب یاد نہیں ایسا قفس میں بھولے
آشیاں کیسا ہمارا وہ چمن ہے کہ نہیں

حسن و آرائش و زیبائش و خوبی کے نثار
زیب و زینت میں ہر اک شعر دلہن ہے کہ نہیں

غزل

ترا جلوہ ہر سو عیاں دیکھتے ہیں
جدھر دیکھتے ہیں جہاں دیکھتے ہیں
چمن کے ہر اک برگ و گل میں تجھی کو
عیاں دیکھتے ہیں نہاں دیکھتے ہیں
ہیں ساتھ ان کی نظروں کے محفل کی نظریں
کدھر دیکھتے ہیں کہاں دیکھتے ہیں
ہمیں یاد آتا ہے گذرا زمانہ
کسی کو اگر شادماں دیکھتے ہیں
وہ جاتے ہیں گھر غیر کے اور بہ حسرت
ہم ان کے قدم کے نشاں دیکھتے ہیں

وہ ابروئے خمدار، وہ نوکِ مژگاں
ہم جیسے تیر و کماں دیکھتے ہیں

لرزتے ہیں اہلِ قفس جب چمن پر
تڑپتی ہوئی بجلیاں دیکھتے ہیں

رقیبوں کا شاید چلا ان پہ جادو
انھیں ان دنوں سرگراں دیکھتے ہیں

بصد شوق کرتے ہیں سجدوں پہ سجدے
جو ہم یار کا آستاں دیکھتے ہیں

پڑی ہے سیہ زلف بر روئے روشن
بہم روز و شب بے گماں دیکھتے ہیں

بہت ہو رہی ہے ہمیں بدگمانی
انھیں آج کل مہرباں دیکھتے ہیں

سمجھ لیتے ہیں ہو گا پکوان پھیکا
کوئی بھی جب اونچی دکاں دیکھتے ہیں
چلے آتے ہیں وہ خراماں خراماں
بہارِ مجسّم رواں دیکھتے ہیں
کبھی مسکراہٹ کو بھی زندگی میں
غم و درد کا ترجماں دیکھتے ہیں
سنا ہے کہ حیرت سے خوش ذوق شاعر
یہ مہدی کی فکرِ جواں دیکھتے ہیں
روانی، تسلسل، سلاست، تخیّل
تعجب سے طرزِ بیاں دیکھتے ہیں

غزل

داستانِ ہستیٔ فانی کی سناؤں کیسے
میں ابھی خواب میں ہوں ہوش میں آ لوں تو کہوں

پیشِ جاناں دلِ گستاخ کا رنگین مضموں
بزمِ الفاظ، تخیّل میں سجا لوں تو کہوں

یار سے، سوزشِ دل، دردِ جگر، ہجر کا غم
شوقِ بیتاب کو سینے میں چھپا لوں تو کہوں

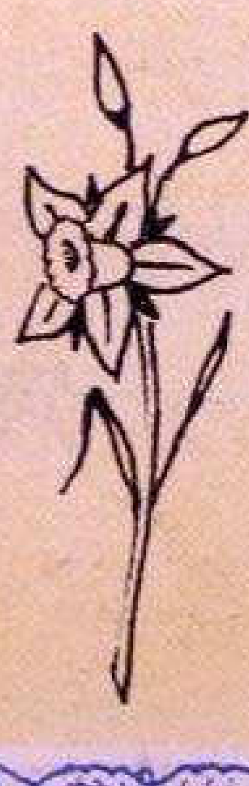
آپ کا تو یہ نہیں تیرِ، تغافل کے نثار
ناوکِ ناز کلیجے سے لگا لوں تو کہوں

دھجیاں تیری اُڑیں گی مِرے ہاتھوں سے فلک
ہمتِ جوشِ جنوں اور بڑھا لوں تو کہوں

قصّۂ درد سُنانے کی کسے فرصت ہے
آگ جو دل میں لگی ہے وہ بجھا لوں تو کہوں

حال وہ پوچھتے ہیں، جراٗتِ گفتار کہاں
کوئی کہہ دے کہ ذرا ہوش سنبھالوں تو کہوں

سوزِ باطن ابھی شائستۂ تقریر نہیں
شمعِ ہستی ابھی کچھ اور جلا لوں تو کہوں



غزل

چراغِ دل ہوا گل شدّتِ طوفاں بھی مدھم ہے
جہاں بیتابیاں تھیں اب تمناؤں کا ماتم ہے

وطن کی یاد نشتر بن کے دل میں چُبھتی رہتی ہے
ہمیں خاکِ وطن سے دُور جنّت بھی جہنّم ہے

زمانے میں ملیں گے ایسے مجبورِ مسرّت بھی
لبوں پر مُسکراہٹ کھیلتی ہے آنکھ پُرنم ہے

ملی ہے بندۂ مجبور و عاجز کو بھی آزادی
کہ خود اعمال کا مختار اپنے ابن آدم ہے

ارے ناداں جہاں کے غمکدے میں قہقہے کیسے
گھڑی بھر مسکرانے کی اجازت ہو تو کیا کم ہے
کیا احسان جس پر تو نے وہ دشمن ہوا تیرا
کہ یہ محسن کشی جزوِ سرشتِ ابن آدم ہے

غزل

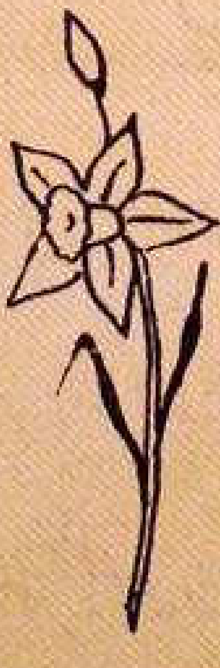
بالوں کی سیاہی میں سفیدی جو عیاں ہے
بس چونکئے یہ صبح کی آواز اذاں ہے
یوں لذتِ آزارِ قفس رشتہ جاں ہے
"اب دل پہ نشیمن کا تصور بھی گراں ہے"
ہر سو نگراں ہوں متجسس ہیں نگاہیں
سائے تو بہت ہیں مگر انسان کہاں ہے

اے ہستیٔ موہوم تری شعبدہ کاری
اک خواب پریشاں ہے فقط وہم وگماں ہے

دل میں خلشِ درد لبوں پر ہے تبسّم
اس محفلِ اندوہ میں یہ رقصِ فغاں ہے

سُن اے سفرِ زیست میں بیگانۂ منزل
ہر نقشِ لحد تیری ہی منزل کا نشاں ہے

ہم کو تو چمن بندیٔ گلشن سے سروکار
کیا اس سے غرض موسمِ گُل ہے کہ خزاں ہے



غزل

دل لینے میں خطا نہیں اس چشمِ ناز کی
میرے ہی چشم و دل نے تو خود ساز باز کی

اپنا ہی عکس پیشِ نظر ہے چہار سو
کاریگری تو دیکھئے آئینہ ساز کی

سب کو نیاز مند بنا کر ہے بے نیاز
کیا دل فریب ہے یہ ادا چشمِ ناز کی

معراج میں حبیب تھا محبوب سے قریب
منزل تھی سخت کشمکشِ امتیاز کی

بیگانۂ حیات یہ پوچھیں تو خضر سے
کیونکر بسر حضور یہ عمرِ دراز کی

مجھ سے ہی پوچھتا ہے مرے درد کی دوا
قربان سادگی پہ میں اس چارہ ساز کی

شاید کبھی یہ لطف کا بن جائے ہمزباں
یہ راز ہے جو ظلم کی رسّی دراز کی

کچھ دل ہی جانتا ہے مزا اس کا ہمنشیں
حالت نہ پوچھ قلب کے سوز و گداز کی

غزل

روحِ اُمید دل سے مرے جب سے تو گئی
کوشش گئی، تلاش گئی، جستجو گئی

موجِ نسیم جب ترے کاکل سے چھو گئی
نازاں گئی، نہال گئی، سرخرو گئی

اے میری قوم اب ترے دامن میں کیا رہا
عزت گئی، وقار گیا، آبرو گئی

احسان کا عوض یہ ہمیں بارہا ملا
ملنا گیا، سلام گیا، گفتگو گئی

اے یادِ یار تیری وفاؤں کے میں نثار
راحت گئی، سکون گیا، پرنتو گئی

وہ کیا گئے چمن سے کہ دُنیا بدل گئی
رونق گئی، پھبن گئی، وجہ نمو گئی

رخصت ہوا شباب گیا شوق و ولولہ
وحشت گئی، جنون گیا، آرزو گئی

غزل

تم جو آجاتے رات کچھ بھی نہ تھی
بات رہ جاتی بات کچھ بھی نہ تھی

اُس کے پرتو سے ہے یہ جذب و کشش
ورنہ یہ کائنات کچھ بھی نہ تھی

بندِ غم نے بنایا زیست کو زیست
ورنہ قیدِ حیات کچھ بھی نہ تھی

سرفروشانِ کربلا کے لئے
سر کٹا دینا بات کچھ بھی نہ تھی

اُن شہیدوں پہ میری جان نثار
جن کو فکرِ حیات کچھ بھی نہ تھی
قاسمِ آبِ پاک کوثر کو
فکرِ آبِ فرات کچھ بھی نہ تھی

غزل

سلامت جذبۂ دل، روئے تاباں ہم بھی دیکھیں گے
مچلتی ان کے رُخ پر زلفِ پیچاں ہم بھی دیکھیں گے
چھپائیں لاکھ وہ شکلِ دل آرا، چھپ نہیں سکتی
حجاب اُٹھ جائیں گے سب حُسنِ جاناں ہم بھی دیکھیں گے
یہ دل کے داغ اک دن غنچہ و گل بن کے اُبھریں گے
لہو سے سینچ کر رنگِ گلستاں ہم بھی دیکھیں گے

فلک کی دھجیاں جس دن اُڑیں گی تیرے ہاتھوں سے
تری شورشِ جنونِ فتنہ ساماں ہم بھی دیکھیں گے

بہار آنے کے دم تک ہیں یہ دعوے ہوشمندی کے
تری دانشوری چاکِ گریباں ہم بھی دیکھیں گے

کبھی تو سایۂ شبہائے غم سے پائیں گے فرصت
کبھی تو صورتِ صبحِ درخشاں ہم بھی دیکھیں گے

ابھی تک تو وفاؤں کی ہماری آزمائش ہے
جفاؤں پر انھیں اک دن پشیماں ہم بھی دیکھیں گے

بہت کی جستجو لیکن کہیں انساں نہیں ملتا
بہت شک ہے کہ اس عالم میں انساں ہم بھی دیکھیں گے

غزل

کرمِ دوست کے ارماں پہ ہنسی آتی ہے
آرزوئے دلِ ناداں پہ ہنسی آتی ہے

قصر کو دیکھ کے کرتا ہوں لحد پر جو نظر
سعیٔ آرائش و ساماں پہ ہنسی آتی ہے

فصلِ گُل میں کوئی دیوانوں کی حالت دیکھے
دامن و جیب و گریباں پہ ہنسی آتی ہے

ولولے، شوق، تمنّائیں، اُمیدیں، ارماں
دل میں جذبات کے طوفاں پہ ہنسی آتی ہے

سعیٔ انساں ہے کہ وہ موت پہ قابو پالے
موت کو کوششِ انساں پہ ہنسی آتی ہے

جب سے انجام شگوفوں کی ہنسی کا دیکھا
مجھے اکثر لبِ خنداں پہ ہنسی آتی ہے

مجھ سے ناچیز پہ یہ بارشِ الطاف و کرم
بخششِ گردشِ دوراں پہ ہنسی آتی ہے

غزل

ہمیں احباب کے ہاتھوں وہ ایذا و الم پہونچے
کہ جتنے دشمنوں سے رنج پہونچے پھر بھی کم پہونچے

حقیقت ان کی سنگ و خشت اور معبود بن بیٹھے
خدا کی شان، کیا تھے اور کہاں تک یہ صنم پہونچے

وہ ناکامِ ازل ہوں ایسا برگشتہ مقدر ہوں
کہ امرت ہو دہن میں، حلق سے اُترے تو سم پہونچے

دل و جاں، دین و ایماں، روح و تن سب ہیں اسیری میں
خدا رکھے کہاں تک آپ کی زلفوں کے خم پہونچے

جو قانع ہیں بہر صورت رضائے حق پہ راضی ہیں
نہ کچھ پہونچے تو خوش، ہیں مطمئن گر بیش و کم پہونچے

کچھ آجائے کمی شاید مرے سینے کی سوزش میں
ترا کچھ فیض دل تک بھی مری اے چشمِ نم پہونچے

سکونِ قلب حاصل ہو حریصوں کو تو کیونکر ہو
ملے کتنا بھی زر لیکن بقدرِ حرص کم پہونچے

مرے نظروں میں اپنے ساغرِ گل کی وہ قیمت ہے
برابر خاک کے اس کی نہ ہرگز جامِ جم پہونچے

جنابِ شیخ تنہائی میں یوں پکڑے گئے پیتے
لگایا تھا انھوں نے جام ہونٹوں سے کہ ہم پہونچے

عجب ہے آرزوئے وصلِ معشوقِ حقیقی کی
کہ کھنچ کر اشتیاقِ دید میں آنکھوں میں دم پہونچے

مسلسل درد رہتا ہو تو ہو جاتی ہے عادت سی
غموں کا مٹ گیا احساس اتنے ہم کو غم پہونچے

مشیّت تھی یہی حق کی کہ جو بطحا سے اُٹھا تھا
برسنے سارے عالم پر وہی ابر کرم پہونچے

شبِ معراج کیا منزل تھی احمدؐ کی خدا جانے
علیؑ کو علم تھا لیکن کہاں تک ابنِ عم پہونچے



محسوسات

غمِ و درد کی اک کہانی ہوئی — بشر کو عطا زندگانی ہوئی
ہوئی چشم تر پرسشِ حال پر — غمِ دل کی یوں ترجمانی ہوئی
دمِ واپسیں آئے بالیں پہ وہ — عنایت، کرم، مہربانی ہوئی
محبت میں جوشِ رقابت یہ ہے — مجھے خود سے بھی بدگمانی ہوئی
یہ دشنام تیرے ہمارے لئے — کھلے پھول یا خوش بیانی ہوئی
گیا گلستاں سے خزاں کا عمل — بہاراں کی اب حکمرانی ہوئی
نکھر آیا گلشن میں ہر شاخ و برگ — زمیں کی بھی پوشاک دھانی ہوئی
چمن میں ہوا ختم گلچیں کا دور — گلوں کو عطا پاسبانی ہوئی
غرض یہ کہ توبہ نے کھائی شکست — مے و جام کی کامرانی ہوئی

گھٹا گھر کے آئی چلا دورِ جام — کہ پانی مے ارغوانی ہوئی
مے آتشیں کیوں نہ گلنار ہو — کہ ساغر میں ہے آگ پانی ہوئی
چھکا دے لُنڈھا دے مرے ساقیا — تری بھی یہ ہے بات جانی ہوئی
بہت مختصر ہے جوانی کا دَور — اگر رائگاں نوجوانی ہوئی
تو واپس نہیں پھر یہ آنے کے دن — رہی بھی تو کیا زندگانی ہوئی
بس اب چھیڑیے اور کوئی داستاں — بہت عیش کی مدح خوانی ہوئی
ازل میں ملی زندگی مستعار — تو سمجھا کہ یہ جاودانی ہوئی
کبھی یہ بھی تو نے لگایا حساب — یہ کے روز کی عمر فانی ہوئی
یہ دنیا تو ہے ایک مہماں سرا — جہاں چند دن مہمانی ہوئی
سمجھ لے پلٹ کر کے جانا بھی ہے — کہ جب ختم یہ میزبانی ہوئی
سیہ کاریوں سے اگر بچ گیا — تو معبود کی مہربانی ہوئی
مرے شعر سُن کر یہ بولے ادیب — کھِلے پھول یا زر فشانی ہوئی

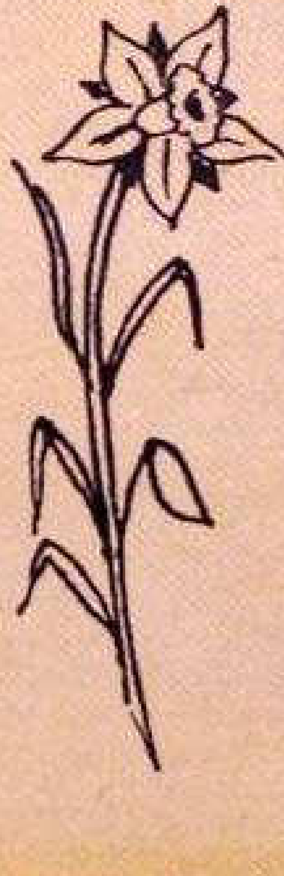
سراسر یہ اعجاز و الہام ہے
تری شاعری آسمانی ہوئی

تری نظم افسوں ہے یا سحر ہے
غضب کی یہ جادو بیانی ہوئی

ترا ذوق اور تیری فکرِ بلند
فنِ شعر گوئی کی بانی ہوئی

تری ذات سے گلشنِ نظم کی
حفاظت ہوئی پاسبانی ہوئی

اُمنڈتا ہے دریا طبیعت تری
ہر اک شعر میں کیا روانی ہوئی



یادِ ایّام

یادِ ایّام کہ مجھ سے تھی محبت تم کو
میں تو میں میرے تصوّر سے تھی اُلفت تم کو
ہجر کا نام بھی آتا تو بگڑ جاتے تھے
مجھ سے گر چھوٹے تو مرنے کی قسم کھاتے تھے
رات دن مہر و محبت کے بس افسانے تھے
نشۂ عشق میں مدہوش تھے دیوانے تھے
نِت نئے رنگ سے اظہارِ وفا ہوتا تھا
قسمیں دے دے کے مناتے جو خفا ہوتا تھا

کشتیٔ عشق میں مدہوش چلے جاتے تھے
فکرِ طوفاں نہ تھی بے خوف چلے جاتے تھے
بس محبت کے فسانوں میں مزا پاتے تھے
ذکرِ فرقت کا جو آتا تھا تو گھبراتے تھے
مشربِ عشق کا ایماں تھیں وفائیں اپنی
اپنی اس چاہ پہ نازاں تھیں وفائیں اپنی
کیسی پُر رونق و آباد تھی دل کی بستی
ہر غمِ زیست سے آزاد تھی دل کی بستی
کیا خبر تھی اسے ویرانہ بنا ڈالو گے
محفلِ عیش کو غم خانہ بنا ڈالو گے
چار دن بھی نہ ہوئے تھے کہ ہوا ایسی چلی
گل تو رخصت ہوئے اب خار ہیں اور دل کی کلی

یاد تو ہوگا تمھیں آج بھی پیمانِ وفا
واہ کیا خوف نکالے گئے ارمانِ وفا

آتشِ عشق کا سینے میں اثر بھول گئے
سوز و بیتابیٔ دل، دردِ جگر بھول گئے

لے اگر نامِ وفا کوئی تو ٹل جاتے ہو
ذکرِ اُلفت کا جو ہوتا ہے تو گھبراتے ہو

کل وہی میں تھا جو سنتا تھا محبت کی صدا
اب وہی میں ہوں جو نفرت کے بھی قابل نہ رہا

میرے اشعار کا اک مرکزِ رنگیں تم تھے
میرے افکار اگر گل تھے تو گلچیں تم تھے

اب مری فکر ہے اور غم کی فراوانی ہے
دلِ بیتاب ہے اور درد کی ارزانی ہے

وہ آنکھیں

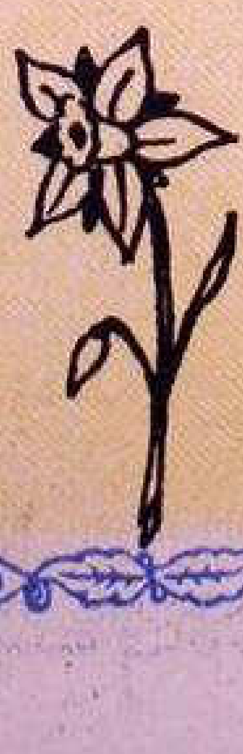
وہ آنکھیں عالمِ خوبی میں جن کی کارفرمائی
وہ آنکھیں جن کے در پر حُسن کرتا ہے جبیں سائی

وہ آنکھیں دو شباب و کیف کی بے مثل تصویریں
وہ آنکھیں مانی و آزر کے خوابوں کی ہیں تعبیریں

بیاں مخمور ان آنکھوں کی کیا ہو شانِ زیبائی
ہمہ مطرب، ہمہ نغمہ، سراپا صبحِ برنائی

وہ آنکھیں بادۂ گلرنگ کے لبریز دو ساغر
وہ آنکھیں جو بہ یک جنبش اُٹھا دیں فتنۂ محشر

وہ آنکھیں جن میں گُل تفسیر ہے فصلِ بہاراں کی
وہ آنکھیں جن میں ہر تفصیل ہے حُسنِ گلستاں کی
وہ آنکھیں مرکزِ رنگینیٔ و مستی و رعنائی
وہ آنکھیں جب بھی دیکھیں نرگسِ شہلا کی یاد آئی
وہ آنکھیں جن میں پنہاں ایک شیریں خواب کا عالم
وہ آنکھیں جن سے پیدا حُسنِ عالمتاب کا عالم
وہ آنکھیں نور کے ساغر خمار آگیں و مستانہ
وہ آنکھیں پرتوِ صحنِ چمن تنویر میخانہ



کور نفس

"مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات"، لہذا آغاز کلام میں یہ عرض کردینا مناسب ہے کہ یہ نظم اللہ کے اُن نیک طینت و پاک سیرت بندوں سے تعلق نہیں رکھتی جن کا قول و عمل یکساں، جن کی ذات دُنیا کے لئے باعث برکت اور دین کے لئے وجہ فخر۔ یہ نظم صرف و محض ان کور نفسوں کی آئینہ دار ہے جو "بدنام کنندہ نام نکو ہیں" جو اپنی نازیبا حرکات سے مذہب کے طاہر دامن کو داغدار کرتے ہیں۔ جو خدا کی زمین پر فتنہ و فساد، بغض و حسد، مکر و ریا، کذب و کدورت کے بیج بو کر دین کو بھی سرنگوں کردیتے ہیں۔

خدائے برتر مذہب کے پاک دامن کو ان نجاستوں سے محفوظ رکھے اور ایمان کا بول ہمیشہ بالا رکھے۔

کمال مکر پہ اپنے ہیں کس قدر مسرور
ریا پہ فخر ہے جھوٹی عبادتوں پہ غرور
قریب اِن سے ہے شر، خیر ان کے شر سے دُور
وہ روسیاہ، کہ سائے سے جن کے بھاگے نور
غلاظتیں بھی ہیں خود ان جذامیوں سے نفور
یہ جسمِ دین پہ پھوڑے ہیں، بد نُما ناسور
زباں سے دین کی تبلیغ صبح و شام کریں
بیاں میں عصمت و عفت کا احترام کریں
لگے جو داؤں تو تقویٰ کا قتلِ عام کریں
کرے جو کام نہ ابلیس یہ وہ کام کریں
حصارِ زُہد کو ہاتھوں سے اپنے ڈھا ڈالیں
یہ بھوکے بھیڑیے عصمت کو بھی چبا ڈالیں

عنانِ دین اور ان ہاتھوں نے سنبھالی ہے
ریائے و شر کی نجس شکل یوں چھپالی ہے
سیاہ نفس پہ رنگیں نقاب ڈالی ہے
جو اِن کی بات ہے مکر و فریب والی ہے
رہِ عمل میں یہ یکسر سراب ہیں ظالم
وجودِ دیں پہ سراسر عذاب ہیں ظالم
فساد و کینۂ و بغض و حسد کی تصویریں
گلے خود اپنوں کے کاٹیں یہ ہیں وہ شمشیریں
جو اِن کے ہاتھ میں ہوتیں بشر کی تقدیریں
ہر ایک بھائی کی قسمت میں لکھتے تعزیریں
نئے جفائے و ستم روز و شب اُٹھاتے ہیں
اسے ستاتے ہیں گہ اُس کا دل دکھاتے ہیں

لباسِ شرع میں ملبوس ہیں یہ وہ انساں
کہ جن سے پاتا ہے تعلیم شیطنت شیطاں
وہ وعظ و پند میں نفرت کی برچھیاں پنہاں
قلوب مکر سے لبریز "قوم" وردِ زباں
فریب ان کی غلامی میں، کذب حلقہ بگوش
نفاق ان کا ہے محبوب، مکر ہم آغوش
انھیں کے فیض سے فسق و فجور پلتا ہے
انھیں کی ذات سے شر کا چراغ جلتا ہے
انھیں کی وجہ سے نامِ ضلال چلتا ہے
انھیں کے دم سے شجر معصیت کا پھلتا ہے
انھیں سے گلشنِ تخریب میں بہار آئی
انھیں سے بزمِ کدورت نے روشنی پائی

تجھے تو علم تھا لعنت بنے گا ان کا وجود
تجھی کو علم ہے پیدا ہوئے یہ کیوں مردُود
ہماری عقل بہر حال ہے بہت محدود
ضرور تیری کوئی مصلحت ہے اے معبود
یہ تو نے نارِ جہنم کا اہتمام کیا
بشر کے جسم کے ایندھن کا انتظام کیا



شکوہ

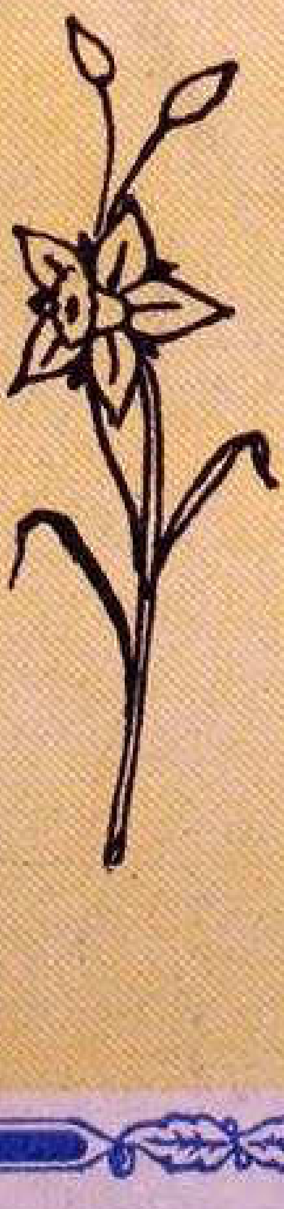
(ایک عزیز دوست سے، خط کا جواب نہ دینے پر)

لطفِ خرامِ ساقیٔ گلفام کی قسم
میکش کی، میکدہ کی، مے وجام کی قسم
گذرے جو ہجرِ یار میں اُس شام کی قسم
بختِ سیاہ عاشقِ ناکام کی قسم
سلکِ مراسلت کو بس اب جوڑ دیجئے
مُہرِ سکوت بہرِ خدا توڑ دیجئے

عاشق کے آہ و نالۂ شبگیر کی قسم
قلبِ بتاں میں آہ کی تاثیر کی قسم
نیشِ ادا کی، ناز کی شمشیر کی قسم
مارِ سیاہِ زلفِ گرہ گیر کی قسم
رسمِ وفا کو دہر میں رُسوا نہ کیجیے
کیونکر کہوں کہ خونِ تمنّا نہ کیجیے
دامانِ چاک یوسفِ کنعاں کا واسطہ
شہرِ سبا کا، تختِ سلیماں کا واسطہ
رخسارِ یار و کاکُلِ جاناں کا واسطہ
تیرِ نظر کا ناوکِ مژگاں کا واسطہ
للہ اب تو قفلِ دہن کھول دیجیے
ناسفتہ گوہر ہائے سخن رول دیجیے

دردِ فراق دردِ دلِ بلبل کا واسطہ
موجِ نسیم، تارِ رگِ گُل کا واسطہ
روئے حسیں پہ خم شدہ کاکُل کا واسطہ
سرو و سمن کا، نرگس و سنبل کا واسطہ

القصہ دردِ ہجر میں جینا محال ہے
محرومِ خط کی موت سے اب قیل وقال ہے



مشکل پسندی

و

تفنّنِ طبع

○

دیکھیں پھرائے مال کی چاہت کہاں کہاں
لے جائے حرص و آز کی علّت کہاں کہاں

خونِ جگر شراب ہے، لختِ جگر کباب
پائی غمِ فراق نے دعوت کہاں کہاں

ویران آنکھ، روح پریشان، دل اُداس
آجائیے کہ ہو گئی خلوت کہاں کہاں

عزت کی چاہ، جاہ کا حب، زر کی آرزو
نکلے جنونِ شوق کی حسرت کہاں کہاں

احباب دل شکن تو اعزہ جگر فگار
اب کیا کہیں کہ پائی اذیت کہاں کہاں

آئے عدم سے پھر بھی سفر کی ہے دُھن سوار
لے جائے گا یہ شوقِ سیاحت کہاں کہاں

غنچہ میں، گُل میں، شعلہ میں، رخسارِ یار میں
تخلیق کی دکھائی ہے نُدرت کہاں کہاں

سینے میں، دل میں، پہلو میں، رگ رگ میں، جان میں
پہونچی ہے نیشِ ناز کی لذّت کہاں کہاں

ادبار میں، زوال میں، میّت میں، قبر میں
پائی بشر نے دعوتِ عبرت کہاں کہاں

خائن میں، کور نفس میں، قلبِ حسُود میں
ابلیس کی عیاں ہے جبلّت کہاں کہاں

شدّاد میں، یزید میں، فرعون و شمر میں
بھٹکی پھری ہے روحِ ضلالت کہاں کہاں

○

ہیں چند روز زیست کے ساماں عجب عجب
اسباب جمع کرتا ہے انساں عجب عجب

خود بین و معصیت کے مرقع تمام شر
اولاد بوالبشر میں ہیں شیطاں عجب عجب

اب ہے کوئی اُمنگ نہ ارماں نہ آرزو
اُٹھتے تھے اپنے دل میں بھی طوفاں عجب عجب

شانہ سے جب اُلجھتی ہے آئینہ خانہ میں
کرتی ہے ناز زلفِ پریشاں عجب عجب

اظہارِ شوق ، عرضِ تمنا ، شبِ وصال
دل میں ہمارے آتے ہیں ارمان عجب عجب
کڑیل جواں ، ضعیف ، وہ ششماہہ شیر خوار
دشتِ بلا میں ہو گئے قربان عجب عجب

○

اب زمانے میں سخنور ہوئے کمیاب سی چیز
بن گئی جنسِ سخن گوہرِ نایاب سی چیز
دوستی جس سے عبارت ہو وہ احباب کہاں
یوں تو ملنے کے لئے ملتی ہے احباب سی چیز
ایسا مرجھایا کہ کھلنے کا تصوّر بھی نہیں
دل ہمارا جو کبھی تھا گلِ شاداب سی چیز

کوئی بھی شے ہو مگر اصل و حقیقت تو نہیں
زندگی وہم ہے، دھوکا ہے فقط خواب سی چیز
اپنے ہی قلبِ تپیدہ کا گماں ہوتا ہے
دیکھتا ہوں جو تڑپتے کوئی بیتاب سی چیز
چاند تھا یا کسی مہ رُو کی جھلک دیکھی تھی
بام پر جلوہ فگن تھی کوئی مہتاب سی چیز
فکر ہے دولت و ساماں کی مسافر کو عبث
رہ کے دنیا میں نہ رکھ کوئی بھی اسباب سی چیز
کسی قیمت، کسی صورت، کسی داموں نہ ملے
دہر میں نقشِ وفا ہے دُرِ نایاب سی چیز
جب کبھی حسن و محبت کی نظر ملتی ہے
چھیڑتی ہے ربطِ دل ہے کوئی مضراب سی چیز

اُن کی آنکھوں کی وہ مخمور نگاہی توبہ
ہے چھلکتی ہوئی ساغر میں مئے ناب سی چیز

ہم اُبھاریں بھی تو ڈوبا ہی چلا جاتا ہے
دلِ محزوں کو ہے گھیرے کوئی گرداب سی چیز

خون بن کر یہ کہیں دل نہ بہا جاتا ہو
میری آنکھوں سے رواں ہے جو کوئی آب سی چیز

○

حسینؑ کے غم میں اشک یکسر، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
نہ ہے مقدر فدائے سرورؑ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

جنھوں نے طاعت میں جان دیدی بنے نہ حرص و ہوا کے قیدی
وہ کربلا کے جری بہتر، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

رضائے مولا کے جو ہیں جویاں کریں وہی ان کے ہے جو شایاں
عمل ہو پاکیزہ قول اطہر ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

نہ سر جھکائیں حضورِ باطل چلائیں خنجر ہزار قاتل
یہ پاک و طاہر ذواتِ انور ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

مٹا دیں احساس خود پرستی خدا میں ضم کر دیں اپنی ہستی
وجود ان کا ہو حق کا مظہر ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

کرے جو خلقِ خدا کی خدمت وہ پائے دونوں جہاں میں عزّت
خدا کے بندوں کا جو ہے یاور ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

رضائے حق ہے اسی کی خواہاں کہ کام انساں کے آئے انساں
سخا و جود و عطا کے خوگر ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

ہمارے اشعار کون سمجھے سخن کی ہم پائیں داد کس سے
جو نظم ہے بے نظیر و برتر ، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

کلام مہدی ہے آسمانی یہ ہے نہ شیخی نہ لن ترانی
مقابل اس کے پھر آئیں کیونکر، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

○

تجھ کو اے کاش پڑھ لے دلبر، خط
جاگ جائیں ترے مقدر خط
دستِ نازک لفافہ کھولتے ہیں
جامے سے ہے، خوشی سے باہر خط
وہ پڑھیں گے کہ چاک کر دیں گے
بیم و اُمید کا ہے خوگر خط
روئے روشن کے سامنے آ کر
جلوۂ حسن سے ہے ششدر خط

جانتا ہے یہ سب نشیب و فراز
منزلِ عشق میں ہے رہبر خط

ہوتا جاتا ہے طول قصۂ غم
لکھتا جاتا ہوں ان کو خط در خط

یاس، اُمّید، فکر، شادی و غم
پیش کرتا ہے کتنے منظر خط

منتظر جس کا خود رہے محبوب
وہ نصیبہ کا ہے سکندر خط

○

یا تو لکھا نہ بندہ پرور خط
اب جو لکھا تو باعثِ شر خط
تا نہ گم کر سکے کبوتر خط
لکھ کے بھیجا ہے اس کے پر پر خط
غیر کا تو ہو شیر و شکر خط
اور میرا ہو تیر و نشتر خط
میری قسمت کے فیصلے کے لئے
آپ کا ہے خطِ مقدر خط

ان کو فرصت کہاں کہ ہم کو لکھیں
لکھتے ہیں غیر کو وہ فر فر خط

بے رُخی تھی ہزار غمزے تھے
جب انھیں بھیجتے تھے اکثر خط

ہم جو بگڑے تو اب لگے آنے
نامے پر نامے اور خط پر خط

رکھتے ہیں فرطِ شوق سے اے دوست
تیرا آنکھوں پہ، لب پہ، سر پہ خط

شوق، حسرت، طلب، اُمیدِ وصال
بن گیا لکھتے لکھتے دفتر خط

بزمِ عشاق اُٹھ گئی شاید
اب تو وہ بھیجتے ہیں اکثر خط

○

کیسا عیش، مسرّت کیسی، پاگل پن کی باتیں ہیں
قصرِ شاہ، قبائے زرّیں، گور و کفن کی باتیں ہیں

پتا پتا، بوٹا بوٹا، روش روش یاد آتی ہے
ہائے کبھی ہم جزوِ چمن تھے اب تو چمن کی باتیں ہیں

جاہ کی ساتھی، عیش کی ہمدم، وقت پڑے پر کوئی نہیں
دم ہے اُلٹتا ذہن میں آتی جب یہ گھٹن کی باتیں ہیں

"سینہ خالی آنکھیں ویراں" روح پریشاں، مُہر بہ لب
دل کی دنیا جب سے اُجڑی رنج و محن کی باتیں ہیں

ذہن پہ پہرے، عقل مقیّد، فکر و قلم پر پابندی
آزادی ہی سے وابستہ دار و رسن کی باتیں ہیں

کھوئے کھوئے گم سُم رہنا، وقفِ تصور، محوِ خیال
مانیں نہ مانیں حضرت مہدی یہ تو لگن کی باتیں ہیں

○

ہٹاتے ہیں وہ چہرے سے نقاب آہستہ آہستہ
تمنّا ہو رہی ہے کامیاب آہستہ آہستہ

اُمنگیں خواب، اعضا سُست ہمت پست دل مُردہ
کہ رخصت ہوتا جاتا ہے شباب آہستہ آہستہ

ہم ان کی پرسشِ احوال پر گھبرائے کچھ ایسا
ہوئے چُپ، زیرِ لب بولے شتاب آہستہ آہستہ

اگر منظور ہو دیدارِ جاناناں تو بِینا بن
اٹھا دے چشمِ باطن سے حجاب آہستہ آہستہ

جوانی کی حدوں میں کمسنی اس طرح آتی ہے
چمن میں جیسے کھلتا ہے گلاب آہستہ آہستہ

اثر ان پر کیا بیتابیِ دل نے مری شاید
عنایت بن رہا ہے اب عتاب آہستہ آہستہ

گذرتا ہے جو دن وہ زندگی سے گھٹتا جاتا ہے
ہماری زیست دیتی ہے حساب آہستہ آہستہ

سوادِ صبحِ پیری کی طرف ہم بڑھتے جاتے ہیں
جوانی بنتی جاتی ہے سراب آہستہ آہستہ

تھپیڑے موجہائے غم کے گردابِ بلا حائل
بہا جاتا ہے ہستی کا حباب آہستہ آہستہ

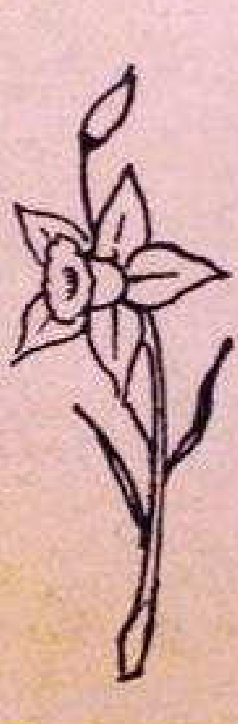
ترنم ریزیاں اب دل کی مدھم پڑتی جاتی ہیں
شکستہ ہو رہا ہے یہ رباب آہستہ آہستہ

جوانی آرہی ہے حُسن و رعنائی فزوں تر ہے
وہ ہوتے جا رہے ہیں لاجواب آہستہ آہستہ

اُلٹتے ہیں ورق روز ایک، ہستی کے رسالہ کا
یہ ہو جائے گی ختم اک دن کتاب آہستہ آہستہ

خدا کی راہ میں اک اک نفس گویا عبادت ہے
سما جاتا ہے رگ رگ میں ثواب آہستہ آہستہ

جوانی کا درخشاں چاند پنہاں ہوتا جاتا ہے
بڑھا آتا ہے پیری کا سحاب آہستہ آہستہ



ٹوٹ کر ابرِ کرم برسا، کئے چھپّر میں حوض
مرحبا بارانِ رحمت بھر دیے گھر گھر میں حوض
بجھ چکی اے ساقیِ کوثر ہماری تشنگی
بحر تو ہوتا کم از کم ہے جو یہ کوثر میں حوض
ہوگی یورش آپ کے پیاسوں کی وہ مولا کہ آپ
دیکھ لیجے گا نہ پڑ جائے اگر چکّر میں حوض
الاماں وہ گریۂ فرقت کی شدّت الاماں
اشکِ غم کی وہ فراوانی کہ گویا سر میں حوض
کہہ بھی دیتے تشنگانِ کربلا تو بھیجتا
مالکِ کون و مکاں جبریل کے ہر پر میں حوض

خون بے تقصیرِ عاشق بہہ رہا ہے چار سو
آب بِ خنجر دیکھتے کیا ہو، نہیں خنجر میں حوض

چشمِ مستِ یار ہے گنجینۂ حُسن و جمال
بھر دیا ہے بادۂ گُل رنگ کا گوہر میں حوض

ساقی گردوں ہے ٹھوکر پہ تہی دستی تری
مے کشانِ حُبِّ حیدر پائینگے محشر میں حوض

بوالہوس کہتا ہے زاہد میں وہ عالی ظرف ہوں
پینے پر آؤں تو بھر لوں مختصر ساغر میں حوض

دشمن کو ہم جو برسرِ محفل لتاڑ دیں
اس کا تمام نشۂ تمکین جھاڑ دیں
مردانِ حق سے یہ جو ذرا سرکشی کرے
دم بھر میں دیو نفس کو اپنے پچھاڑ دیں
فوق البشر تھے یا تھے وہ پھر اس سے بھی سوا
دو انگلیوں سے جو درِ خیبر اکھاڑ دیں
ہو کر جواں نہ کیوں ہوں شجاعت میں بے مثال
گہوارے میں جو کلّۂ اژدر کو پھاڑ دیں
اپنا چراغِ دل ہی اگر ہو بجھا ہوا
کیا خاک لطف ہم کو یہ فانوس جھاڑ دیں

گھٹتی ہے روح تن میں کبھی اپنی اس طرح
جی چاہتا ہے جامۂ ہستی کو پھاڑ دیں
جانباز وہ کہاں ہیں جو میدانِ کفر میں
سر دے کے اپنا پرچمِ توحید گاڑ دیں
آئے نبیؐ کے ساتھ وہ روزِ مباہلہ
تاثیر سے دعا کی، ہٹا جو پہاڑ دیں

○

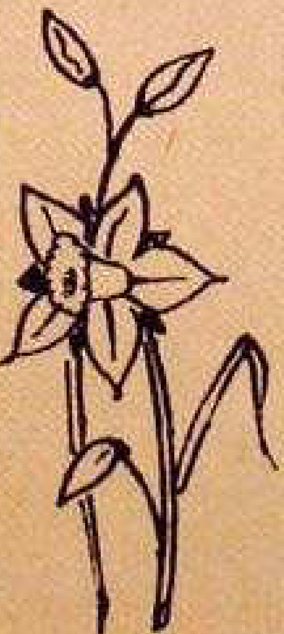
رہروِ خامہ زمیں زیرِ قدم ہے کھنجڑ
بہرِ تصنیف مضامین ہیں انگڑ کھنگڑ
اے مرے ذوقِ سخن زورِ طبیعت دکھلا
جودتِ طبع مضامیں کے چلا دے جھکڑ

اے مری فکر رسا تیری رسائی کے نثار
موم بن جائیں قوافی جو ہوں پتھر لکڑ

یوں مرے ذہن میں محفوظ ہوں مضمون نئے
اپنے جالے میں مگس پھانس لے جیسے مکڑ

غیر بکواس بھی کرتا ہے تو سن لیتے ہیں
میری فریاد بھی ان کے لئے مجذوب کی بڑ

جب ہوا حکم نکل جاؤ مری محفل سے
مارے غیرت کے گئے ہم تو زمیں میں گڑ گڑ



محفلِ نور

دربارِ رسالت

السلام اے مظہرِ شانِ رسالت السلام
السلام اے معدنِ کُل علم و حکمت السلام
السلام اے حاملِ مُہرِ نبوت السلام
السلام اے مطلعِ صبحِ صداقت السلام
السلام اے مرکزِ انوارِ رحمت السلام
السلام اے مخزنِ جود و سخاوت السلام

السلام اے مقصدِ تشکیل بزمِ کائنات
السلام اے پیکرِ علم و عمل عزم و ثبات
السلام اے شہریارِ کامگارِ شش جہات
السلام اے ملتِ مرحوم کی وجہِ نجات
السلام اے مرکزِ انوارِ رحمت السلام
السلام اے مخزنِ جود و سخاوت السلام
السلام اے زینت و عنوانِ بابِ زندگی
السلام اے اکمل و ناطق کتابِ زندگی
السلام اے نور و تابش اے شبابِ زندگی
السلام اے ماہِ ایماں آفتابِ زندگی
السلام اے مرکزِ انوارِ رحمت السلام
السلام اے مخزنِ جود و سخاوت، السلام

السلام اے پرتوِ خلاقِ عالم السلام

السلام اے ناشرِ آیاتِ محکم السلام

السلام اے ہر دلِ محزوں کے مرہم السلام

السلام اے خلق و صدق و حق کے پرچم السلام

السلام اے مرکزِ انوارِ رحمت السلام

السلام اے مخزنِ جود و سخاوت السلام

السلام اے بانیِ محراب و منبر السلام

السلام اے موجدِ اعمالِ اطہر السلام

السلام اے اوّلِ تخلیقِ داور السلام

السلام اے آخری برحق پیمبر السلام

السلام اے مرکزِ انوارِ رحمت السلام

السلام اے مخزنِ جود و سخاوت السلام

جشنِ ولادت

اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام

محمد مصطفےٰ صلِ علیٰ محبوب یزدانی
رسولِ پاک ختمی مرتبت لاریب لاثانی

وہ مختارِ دو عالم قادرِ مطلق کے پیغمبر
نمونہ تھے جو شانِ قدرتِ خالق کا سر تا سر

نگاہِ دور بیں کو جن کی مستقبل تھا آئینہ
رموزِ مرضیٔ معبود سے معمور تھا سینہ

سمجھتے تھے کہ وقت اسلام پر کیا کیا گذرنا ہیں
رہِ تعلیمِ حق میں ان کو کیا کیا کام کرنا ہیں

جہانِ کفر کی ظلمت سے تنہائی سے گھبرا کر
گذارش کی محمدؐ نے حضورِ خالقِ اکبر
تجھے معلوم ہے کعبہ میں مجھ کو بُت گرانا ہیں
وہ مستحکم بساطِ کفر کے نقشے مٹانا ہیں
مرے پیشِ نظر بدر و اُحُد صفین و خیبر ہیں
تمامِ کفر ابن عبدِ وُد سے کوہ پیکر ہیں
مرے مالک عنایت ہو مجھے اک قوتِ بازو
مدد سے جس کی پھیلا دوں تری آواز میں ہر سو
وہ جیتی جاگتی تصویر ہو تبلیغ ایماں کی
مجسّم شکل ہو اسلام کی تفسیر قرآں کی
جری ایسا کہ خود عزم و شجاعت جس پہ نازاں ہوں
سخی ایسا کہ فقر و فاقہ جس کے روز مہماں ہوں

ولیٔ حق امیر المومنینؑ ہو کُل کا آقا ہو
کہ میں مولا ہوں جن کا وہ بھی بیشک انکا مَولا ہو

مدینہ علم کا میں ہوں تو وہ ہو اس کا دروازہ
معارف اور معانی کا ہو قائم جس سے شیرازہ

وہ میری جسم و جاں ہو میں ہوں اُس سے اور وہ مجھ سے
مجھے جو قرب حاصل ہے وہی اُسکو بھی ہو تجھ سے

تری رحمت مجھے بخشے گی عالی مرتبہ دُختر
مناسب ہے کہ فرما خلق اک شایانِ شاں شوہر

گذارش بارگاہِ حق میں تھی محبوبِ یزداں کی
دعا مقبول پھر کیونکر نہ ہوتی فخرِ انساں کی

ہوا ارشاد اے میرے نبی بھائیؑ وہ بخشوں گا
مجھے خود ناز ہو جس پر، میں زیبائیٔ وہ بخشوں گا

ولادت سے منور جس کی ہو کعبہ ہمارا گھر
زیارت ہو سہ کامل کی بیت اللہ کے اندر
علیؑ مشکل کشا، شیرِ خدا، خیبر شکن، حیدر
لسان الغیب، بابِ علم، زیبِ زینتِ منبر
ولی اللہ، عین اللہ، صفدر، ساقی کوثر
تمام خلق میں بعد محمدؐ افضل و بہتر
کوئی مولا و سر تاجِ خلافت حق نما سمجھے
بقدرِ ظرف جو اس کو غلط سمجھے خدا سمجھے
شبِ معراج جب مختار میرے پاس آؤ گے
مرا لہجہ، مری آواز تم مانوس پاؤ گے
شبِ ہجرت کسی کا جب کوئی مشکل کشا ہوگا
کریں گے ناز ہم رسم وفا کا حق ادا ہوگا

ہمارا شیر اس شب صبر کے جوہر دکھائے گا
کہ زیرِ سایۂ شمشیر، رہ کے مسکرائے گا

سُنا فرمانِ ربانی تو فطرت وجد میں آئی
مسرت کی ہوئی کون و مکاں پر کارفرمائی

وہ اُٹھا جھومتا ابرِ سیہ فصلِ بہار آئی
شمیم عنبر افشاں عطر بیز و مشکبار آئی

نسیم خلد مستانہ روِش دیوانہ وار آئی
کلی نے مسکرا کر آنکھ کھولی لے کے انگڑائی

مبارکباد اے ساقی کہ اب پینے کے دن آئے
جو کوثر میں کھنچی ہو وہ پلا جب دل مزے پائے

غضب ہے گر نہ جی بھر کر پئیں وہ تیرے مستانے
جنھیں قدرت نے پینے کو دیئے ہوں بارہ میخانے

وہ مے دے ساقیا جس میں ہو نشہ حبِ حیدرؑ کا

وہ ساغر دے کہ جس میں جلوہ دیکھوں روئے انور کا

چلو رندوں کھُلا ہے خانہ کعبہ میں مے خانہ

غلامِ ساقیٔ کوثر جو ہے آئے وہ دیوانہ

ذرا آ کر مرا تخیّل نہ دیکھیں شافعِ محشر

کہ استقبال کرتی ہے یہاں دیوار در بن کر

نہ جانے فاطمہ بنتِ اسد کیوں مُسکراتی ہیں

مئے حبِّ علی میں وہ بھی شاید لطف پاتی ہیں

ولادت باسعادت

سیّدۂ عالم صلوات اللہ وسلامہ علیہا

ہادیٔ دیں شہ کونین رسولِ عربی
مخزنِ عزّ و شرف معدنِ عالی نسبی

جن کا ہر نقشِ قدم عین ہدایت کی دلیل
جن کا ہر قول تھا فرمودۂ معبودِ جلیل

حرمتِ مرضیٔ یزداں کے امینِ مطلق
رہبرِ کامل و لاریب رسولِ برحق

مرد و زن کا ہے مگر شعبۂ تعلیم جُدا
دخترِ ملّتِ بیضا کا یہ شکوہ تھا بجا

حق کا پیغام جو مُردوں کو سُناتے ہیں رسولؐ
خود عمل کر کے انھیں آپ سکھاتے ہیں رسولؐ

ایسا ہمجنس ہمیں بھی جو عنایت ہوتا
ہم کنیزوں کے لئے شمعِ ہدایت ہوتا

منزلِ زیست جو قرآنِ مُبیں بتلاتا
اس کا ہر فعل ہمیں راہِ عمل دکھلاتا

تھی شکایت جو بجا جوش میں آئی رحمت
ہوئی تخلیق کی منظور دکھانا ندرت

حکمِ باری ہوا گو ہر وہ عنایت ہوگا
خود جو احمدؐ کے لئے قابلِ عزت ہوگا

جس کے رتبے ہوں سوا جسکے ہوں اوصاف کثیر
یہ وہ موتی ہو کہ جس کا ہو نہ ثانی نہ نظیر

عصمت و عفّت و تقویٰ کو مجسّم کر دوں
جس کے دامن میں عبادت کے خزانے بھر دوں
نفسِ پاکِ جدِ امجد کی درخشاں تفسیر
الفتِ فاتحِ خیبرؑ کی ہو جس میں تنویر
روحِ تعلیمِ رسالت کی جِلا ہو جس میں
سیرت و شانِ نبی جلوہ نما ہو جس میں
حُسنِ تخئیل جہاں ساز کی تابانی ہو
پرتوِ قدرتِ یزداں سے جو نورانی ہو
خانۂ احمدِ مرسلؐ کو جو روشن کر دے
اسدُاللہ کی اُمید کا دامن بھر دے
حضرت فاطمہ بنتِ شہِ لولاکؐ کہیں
یہ گُہر وہ ہو کہ سب سیّدۂ پاک کہیں

صبر و تسلیم و رضا، شرم و حیا کی تفسیر
مقصدِ خلقتِ نسواں کی مکمل تصویر
نکہتِ غنچۂ ایماں یہ پکار آئی ہے
چمنِ شافعِ محشر میں بہار آئی ہے

بھینی بھینی سی وہ خوشبو کہ مہکتی ہے فضا
گلشنِ صاحبِ معراج میں کیا پھول کھِلا
جھومتی پھرتی ہے مستانہ روش بادِ سحر
پتّے پتّے کو مسرّت کی سُناتی ہے خبر

پھول ہنس ہنس کے گلستاں میں گلے ملتے ہیں
کیا خوشی آج ہے ایسی کہ جو یوں کھِلتے ہیں
گلفشاں یثرب و بطحا سے بہار آئی ہے
مژدۂ شادیٔ نو، روح فزا لائی ہے

دستِ قدرت نے خدیجہ کو ہے اک گل بخشا
خوبیٔ بخت پہ نازاں ہیں رسولؐ آج بجا

شوقِ بیتاب کو اقلیمِ مسرت کم ہے
آمدِ جانِ نبیؐ سیدہؑ عالم ہے

عاشقِ[2] ربِ علا، مادرِ ذیشانِ حسین[2]
رونقِ دینِ مبیں وجہ وجودِ کونین

افتخارِ[1] دو جہاں ہستی اعظم[1] کی یہ عید
اے خدا باعثِ صد راحت[1] و مسعود و سعید[1]

اے خوشا روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی

---

[1] راحت و مسعود و سعید میرے رشتے کے بھائی ہیں۔ ان کی ایک تقریب مسرت اسی روز سعید کے موقع پر قرار پائی۔ افتخار و اعظم ان بچوں کے والدین کے نام ہیں۔
[2] عاشق حسین بچوں کے دادا کا نام ہے۔

مولود مسعود

امام حسن علیہ السلام

حبّذا اصلِ علیؑ کس شان سے آئی بہار
خود کیا مشّاطۂ فطرت نے گلشن کا سنگھار

چلتی ہے اٹھلا کے مستانہ روش بادِ صبا
جھومتے ہیں مست ہو کر غنچہ و گل برگ و بار

قلب کی تسکین کا باعث ہوائے سرد سرد
روح کے آرام کا ساماں نسیمِ خوشگوار

آ رہی ہے زمزمہ صحنِ گلستاں میں شمیم
عطر بیز و، عطر ریز و، عنبر افشاں مشک بار

آبِ زمزم سے بجھالیں تشنگی سب تشنہ کام
بادل اُٹھے سمتِ کعبہ سے، لگی پڑنے پھوار

گلستاں کا پتّا پتّا وجد کے عالم میں ہے
شدّت و جوشِ نمو سے غنچہ و گل پر نکھار

آمد آمد ان کی ہے گلشن میں ہے ان کا ورود
جن کی ذاتِ پاک پر نازاں ہیں خود لیل و نہار

پاک باطن، پاک سیرت، پاک طینت، پاکباز
نامدار و کامیاب و کامران و کامگار

خوش بیان و خوش کلام و خوش نشین و خوش مقال
ذی شعور و ذی شرف، ذی رتبہ و ذی اقتدار

نکتہ سنج و نکتہ فہم و نکتہ دان و نکتہ رس
مردِ عاقل، فردِ کامل، ہوشمند و ہوشیار

تاج جن کا عینِ حکمت، تخت جن کا عینِ فہم

شاہ ملکِ علم، اقلیمِ عمل کے شہریار

نورِ خالق، شانِ قدرت، جانِ خلقت، عینِ حق

خوش سیر پاکیزہ طاہر، سیدِ عالی وقار

ان کی آمد سے بنا گلزار دیں رشکِ ارم

دم قدم سے ان کے احمدؐ کا گلستاں لالہ زار

سب فنا ہو جائیں یہ ارض و سما کون و مکاں

سیرتِ پاکِ حسنؑ لیکن رہے گی یادگار

ضو فشاں اس دم بھی ہو گی عزت و شانِ حسنؑ

جب نہ ہو گا اس زمیں کا اپنے محور پر قرار

شہر یارِ کربلا

جگر گوشۂ رسولؐ، شہیدِ نینوا

اے حسینؑ ابنِ علیؑ اے تاجدارِ کربلا
اے بنائے دینِ حق اسلام کی وجہِ بقا

اے ستونِ قصرِ ایماں، علم و حق کے شہر یار
اے صفا و صدق و صبر و حلم کے پروردگار

تیرا استقلال محکم، تیرا وہ عزمِ بلند
گردنِ گردوں پہ جس نے ڈال دی اپنی کمند

فخرِ تسلیم و رضا اے کشتۂ صد ظلم و شر
اُف ترا ضبط و تحمل اُف ترا قلب و جگر

ذاتِ عالی پر تری لاریب خود قدرت کو ناز
نینوا کے دشت میں بگڑی ہوئی کے کارساز

پیروِ دینِ محمدؐ عاشقِ ربِ جلیل
صبر تیرا دیکھ کر ششدر رہیں سقراط و خلیل

تیری قربانی ابد تک لاجواب و بے مثال
تیری عزت دین و دُنیا میں رہے گی لازوال

جادۂ قول و عمل تو نے درخشاں کر دیا
نازشِ ہر دو جہاں انساں کو انساں کر دیا

زیرِ خنجر تیرا سجدہ بے مثال و یادگار
قدسیانِ پاک اس ذوقِ عبادت کے نثار

خونِ اطہر کی بہا کر کربلا میں سلسبیل
تا ابد شاداب کر دی کشتِ معبودِ جلیل

کتنے پیغمبر جہاں میں ذکرِ حق دُہرا گئے
اپنے اپنے ڈھنگ سے تعلیمِ دیں فرما گئے
جن کے ساغر بادہ تبلیغ سے لبریز تھے
کشتیِ باطل کو جو اک بحرِ طوفاں خیز تھے
تو مگر ہے شاہدِ یکتا "بنائے لا اِلٰہ"
جس کی ذاتِ پاک میں خود دین نے پائی پناہ

دو شعر

حامل علیؑ و فاطمہؑ مظہر حسنؑ حسینؑ
"جلوہ نما ہے نورِ رسالت کہاں کہاں"
مرحب کے سر پہ، زین پہ، مرکب پہ، ارض پر
دیکھیں علیؑ کی تیغ کی ضربت کہاں کہاں

سلام

کھو چکی ہے شہ کے غم میں رو کے پیغمبر کی آنکھ
وہ نہ روئے گی غمِ شہ میں جو ہو پتھر کی آنکھ

نیک طینت پا ہی لیتے ہیں بُروں میں بھی ہُنر
ڈھونڈتی ہے عیب اچھوں میں بھی بد گوہر کی آنکھ

دم اُدھر نکلا اِدھر بے نور آنکھیں ہو گئیں
پُتلیاں پھرتے ہی گویا ہو گئی پتھر کی آنکھ

نرغۂ اعدا میں یوں سوئے شبِ ہجرت علیؑ
لیٹتے ہی لگ گئی بس فاتحِ خیبر کی آنکھ

کیوں شجاعت میں نہ ہوں عباسؑ بھی مثلِ علیؑ
کھولتے ہی آنکھ دیکھی حیدرِ صفدر کی آنکھ

ہمشبیہِ مصطفےٰ آیا جو فوجِ شام میں
چہرۂ اکبرؑ پہ جم کر رہ گئی لشکر کی آنکھ
منعکس جنگِ پسر تھی گویا اس آئینہ میں
روئے سَروَر پر جمی تھی مادرِ اکبرؑ کی آنکھ
تشنہ کامی یاد کر کے اصغرِ معصوم کی
آج بھی پُر آب ہو جاتی ہے ہر ساغر کی آنکھ
کون ہیں، کیا منزلت ہے حضرتِ شبیرؑ کی
آشنا تھی وقت آخر حاملِ خنجر کی آنکھ
کربلا میں دیکھ کر جلتے خیامِ اہلبیتؑ
کہتا ہے میرا تصوّر روئی خود اخگر کی آنکھ
کون سی آنکھیں ہوئی تھیں ترغمِ شبیرؑ میں
حشر میں پہچان لے گی شافعِ محشرؐ کی آنکھ

حیدر دو

بنائے گلشن فردوس کے، معبود نے در دو

بباطن ایک، ظاہر میں ہیں احمدؐ اور حیدرؑ دو

ازل سے ایک تھے جو، ان کو کیونکر کیجے باور دو

بلاشک نورِ واحد کے ہیں، نورانی یہ پیکر دو

خدا نے خلق فرمائے عجب ذی شان برادر دو

یہی اعلیٰ و ارفع ہیں، یہی بہتر سے بہتر دو

دلِ محزوں کو تسکیں یا علیؑ، یا شیرِ داور دو
سہارا ڈوبتے کو، کشتیٔ اُمّت کے لنگر دو
مرادا مانِ مقصد، گوہرِ الطاف سے بھر دو
دمِ حاجت روائی ہے، مری حاجت روا کر دو
میں جو کچھ مانگتا ہوں دو، مجھے بہرِ پیمبرؐ دو
بہت دن سے تڑپتا ہوں، سکونِ قلبِ مضطر دو
دکھا یا زورِ بازو، کر کے گہوارے میں اژدر دو
سرِ میداں کئے تلوار سے کفار کے سر دو
کہاں ہو منصفو، خیبر میں دادِ ضربِ حیدرؑ دو
کہ شمشیر دو سر، مرحب سا خود سر کر کے یکسر دو
گری آکر زمیں پر، راکب و مرکب تھے کٹ کر دو
کٹے گیتی کے طبقے، ہو گئے جبریلؑ کے پر دو

دہم کو ظہر تک جب ہو چکے قرباں اُنہتر دو

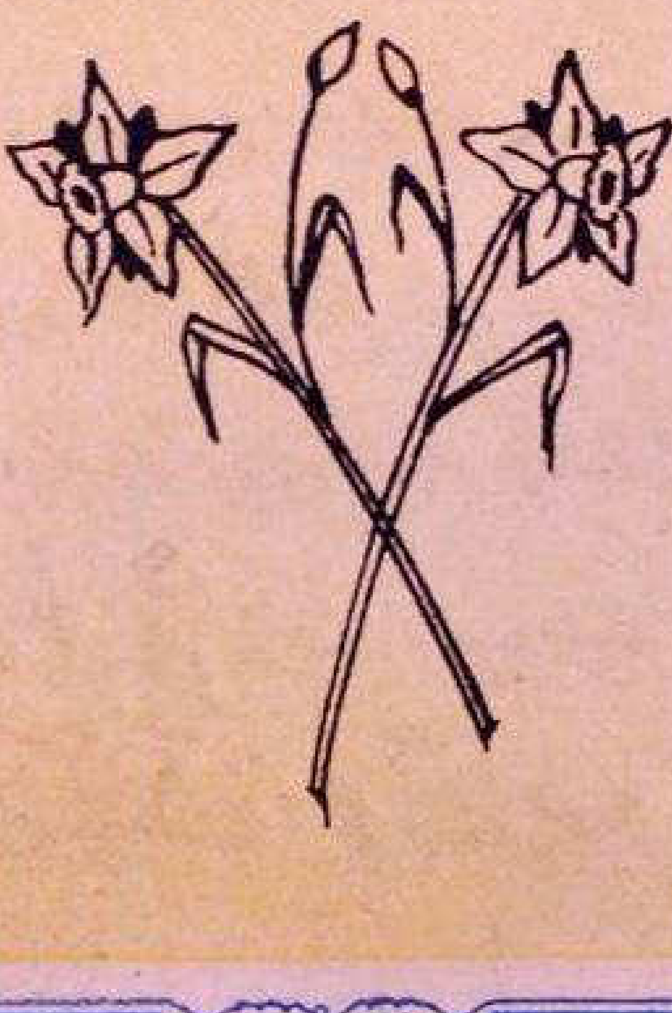
عدو چلّائے ، اب آ کر حسینؑ ابن علیؑ سر دو

مری آنکھوں سے ٹھنڈی ہیں رواں تسنیم و کوثر دو

بپا دشتِ بلا میں ہیں بوقت عصر محشر دو

خلش ہے قلب مولاؑ میں کوئی زینبؑ کو چادر دو

کفِ قاتل میں قبضہ ایک ہے چلتے ہیں خنجر دو



"اب تو آجاؤ"

(امامِ عصرؑ کے حضور میں گذارش)

حدِ منزل میں ہے روحِ پریشاں اب تو آجاؤ
بہت مایوس ہیں، بیمارِ ہجراں اب تو آجاؤ
امامِ عصرؑ اے عیسیٔ دورائی اب تو آجاؤ
دلِ بیتاب ہے شعلہ بداماں اب تو آجاؤ
کئے دیتا ہے بسمل سوزِ پنہاں، اب تو آجاؤ

خبر تو ہو گی کیا کہہ کہہ کے دنیا ہم پہ ہنستی ہے
یہ کہتے ہیں کہ اب جنسِ وفا عالم میں سستی ہے
نگاہِ عاشقاں دیدارِ جاناں کو ترستی ہے
مرے جاتے ہیں عاشق خوب یہ عاشق پرستی ہے

ذرا دیکھو یہ رسوائی کے ساماں، اب تو آجاؤ

تمھاری خاکِ پا ہم اپنی پلکوں سے اٹھائینگے
یہ اشکِ غم تمھاری راہ میں موتی لٹائینگے
یہ داغِ دل تمھاری بزم میں شمعیں جلائینگے
جگر کے خوں کی مے محفل میں جی بھر کے لنڈھائینگے

تمھاری منتظر ہے چشمِ ویراں، اب تو آجاؤ

خدا کے حکم سے ہر قلعۂ باطل کو ڈھایا تھا
تمہارے ہی اب وجد نے یہ قصرِ دیں بنایا تھا
بہ ہر مشکل تمہارا ہی گھرانا کام آیا تھا
چراغِ حق کو ہر طوفانِ باطل سے بچایا تھا
بجھا ہی چاہتی ہے شمع ایماں، اب تو آجاؤ

مرے مولا ذرا امت کی پستی دیکھتے جاؤ
اُجڑتی جاتی ہے آباد بستی دیکھتے جاؤ
فزوں تر ہے عدو کی چیرہ دستی دیکھتے جاؤ
گراں تھی جن کی ہستی، اب ہے سستی دیکھتے جاؤ
ہر اک تدبیر ہے ان سے گریزاں، اب تو آجاؤ

رُباعیات

چھائی ہے گھٹا، مینہ بھی ہے کم کم ساقی
شیرازۂ توبہ ہوا برہم ساقی
ساغر میں مصفّٰی ہے، مئے نورافشاں
یا گُل کی ہے آغوش میں شبنم ساقی

دریا میں ہے پانی کی روانی ساقی
جاتی ہے اسی طرح جوانی ساقی
فردا تو ہے پردے میں، وہ کل دیکھیں گے
ہاں، آج مئے ناب ہو پانی ساقی

احساسِ خودی ہو یہ معطّل ساقی
اور نشۂ ایماں ہو مکمل ساقی
وہ جام پلا، روح کو جو دے معراج
میخانۂ یثرب کی طرف چل ساقی

بیہوش جو کرنا ہے تو کر دے ساقی
ہاں، دیدۂ باطن کو نظر دے ساقی
موسیٰ نے جسے طور پہ جا کے پی تھی
ساغر میں مرے، مے وہی بھر دے ساقی

کم ملتے ہیں تسلیم و رضا کے بندے
ہر گام پہ ہیں، حرص و ہوا کے بندے
دنیا ہی میں جب جنتِ شدّاد ملے
شیطاں کے ہوں بندے، کہ خدا کے بندے

میں نے کہا ابلیس سے، انساں دشمن
کیوں تو نے بگاڑے بنی آدم کے چلن
بولا کہ سکھائے نہیں، میں نے سیکھے
خود حضرتِ انسان سے، شیطانی فن

مانگے جو کوئی پھول تو کانٹا دیدیں
گلشن کی عبا ڈال کے سحرا دیدیں
ایسے بھی ہیں کچھ مکر و ریا کے بندے
ہو بس میں تو اللہ کو دھوکا دیدیں

انسان کو آپس میں لڑانے والو
پاکیزہ امانت کو گنوانے والو
دُنیا ہے اگر جسم، محبّت ہے روح
اے روحِ محبت کے سڑانے والو

کم ظرف جو ہیں، خود ہی چھلک جاتے ہیں
توصیف خود اپنی ہی وہ بک جاتے ہیں
جب دیکھتے ہیں، زہد و عبادت پہ غرور
بس ہم تو اُسی وقت کھٹک جاتے ہیں

جب حبِّ جہاں دل سے چمٹ جاتی ہے
ہستی کی قبا گرد سے اَٹ جاتی ہے
چلتی ہے جہاں بادِ ہَوَس اے غافل
رحمت کی گھٹا آ کے پلٹ جاتی ہے

اک درس ہے یہ دیدۂ بینا کے لئے
مُنہ موڑ لیا بحر سے دریا کے لئے
خالق نے تجھے، پھول بنایا انساں
تو خار ہوا جاتا ہے، دُنیا کے لئے

سُن غور سے جاروب کش دیر و حرم
لازم ہے تجھے خلقِ خدا پر بھی کرم
ہو جائے اگر غرق عسل اس کا وجود
ہے شہد، مگس کے لئے بدتر از سم

اے مستِ مئے ظلم و جفا توبہ کر
ہے وقت ابھی، بہرِ خدا توبہ کر
دامن میں ہمارے ہے تکبّر کا مآل
آتی ہے یہ قبروں سے صدا توبہ کر

مغرور کو دُنیا میں اکڑتے دیکھا
دامانِ تکبر کو پکڑتے دیکھا
دل کانپ اُٹھا دیکھ کے انجامِ غرور
جب کنجِ لحد میں اُسے گڑتے دیکھا

غفلت میں گیا دورِ جوانی غافل
مت بھول کہ یہ زیست ہے فانی غافل
تو ہوش میں آیا بھی تو پھر کیا ہوگا
جب سر سے گذر جائے گا پانی غافل

سورج سے سدا آنکھ ملانے والو
ذرّوں سے نظر پھیر کے جانے والو
اک روز اسی خاک میں مل جانا ہے
اے خاک سے دامن کو بچانے والو

راہی سے سدا دور الم ہوتا ہے
جب اور کوئی فاصلہ کم ہوتا ہے
کیا لطف ہے، کہتے ہیں جسے راہِ حیات
یہ فاصلہ گھٹتا ہے، تو غم ہوتا ہے

گلِ زیرِ قدم روندتا تھا ایک کمہار
مٹّی نے کہا اُس سے یہ آہستہ پکار
اے دوست نہ یوں روند کہ اس دنیا میں
ہم بھی تھے کبھی غنچہ دہن، گل رخسار

ہستی کو نئی زیست کا دھارا مل جائے
ہاں شرط ہے یہ، حق کا سہارا مل جائے
سب لوگ جسے بحرِ فنا کہتے ہیں
اِس بحر میں ڈوبوں تو کنارا مل جائے

ہر منزلِ مشکل سے گذرنے والے
ہنستے ہوئے، حق کیلئے مرنے والے
دُنیا سے کبھی خوف نہیں کھاتے ہیں
جو لوگ ہیں اللہ سے ڈرنے والے

اک خوابِ حسیں دہر ہے، تاویل ہے موت
اجمال اگر زیست ہے، تفصیل ہے موت
کچھ ہوش بھی ہے موت سے ڈرنے والو
تخلیق کے آغاز کی، تکمیل ہے موت

سرِ ظلمتِ باطل کا کچلنے کے لئے
بیتاب ہے شب، نور میں ڈھلنے کے لئے
جلنا ہے تو شعلوں میں حسد کے نہ جلو
دل شمع کا پیدا کرو، جلنے کے لئے

کاٹیں گے وہی کشت، جو بو جائینگے
کچھ پائیں گے جس وقت، تو کھو جائینگے
سوتے ہیں تو ہم کرتے ہیں سیرِ دُنیا
جاگیں گے جو ہم قبر میں سو جائینگے

اربابِ جنوں سے ہوئی خالی دُنیا
لو، ہوش کے بندوں نے سنبھالی دُنیا
اک وہ تھے، جو دُنیا کو نہ دُنیا سمجھے
اک یہ ہیں، کہ دُنیا میں بنالی دُنیا

اسلام کی توقیر کا دیکھو تو زوال
حاصل ہے مسلمانوں کو پستی میں کمال
اجداد مجاہد تھے، مگر یہ بدبخت
مصروفِ مے وچنگ، پرستارِ جمال

میں زیب دہِ محفلِ احباب ہوا
اربابِ چمن میں گلِ شاداب ہوا
ہاں قدر گھٹا دی مری ارزانی نے
عزّت ملی گوہر کو جو کمیاب ہوا

لطف و کرم و حق کی نشانی بن جاؤ
بہتے ہوئے دریا کی روانی بن جاؤ
بھڑکیں جو کبھی نارِ حَسَد کے شعلے
تم نارِ حَسَد کے لئے پانی بن جاؤ

کر عفو، گنا ہوں پہ میں پچھتا تا ہوں
خود، بارِ ندامت سے دبا جاتا ہوں
بیٹھا ہوں، چھپائے ہوئے مُنہ، مالکِ حشر
کیا سامنے آؤں ترے، شرماتا ہوں